اسلامی تہذیب و افکار کا ترجمان

ماہنامہ دعوتِ دین کراچی

معاشرے کے ہر فرد کے لیے یکساں مفید

جلد نمبر 5، شمارہ نمبر 9، جولائی 2024ء

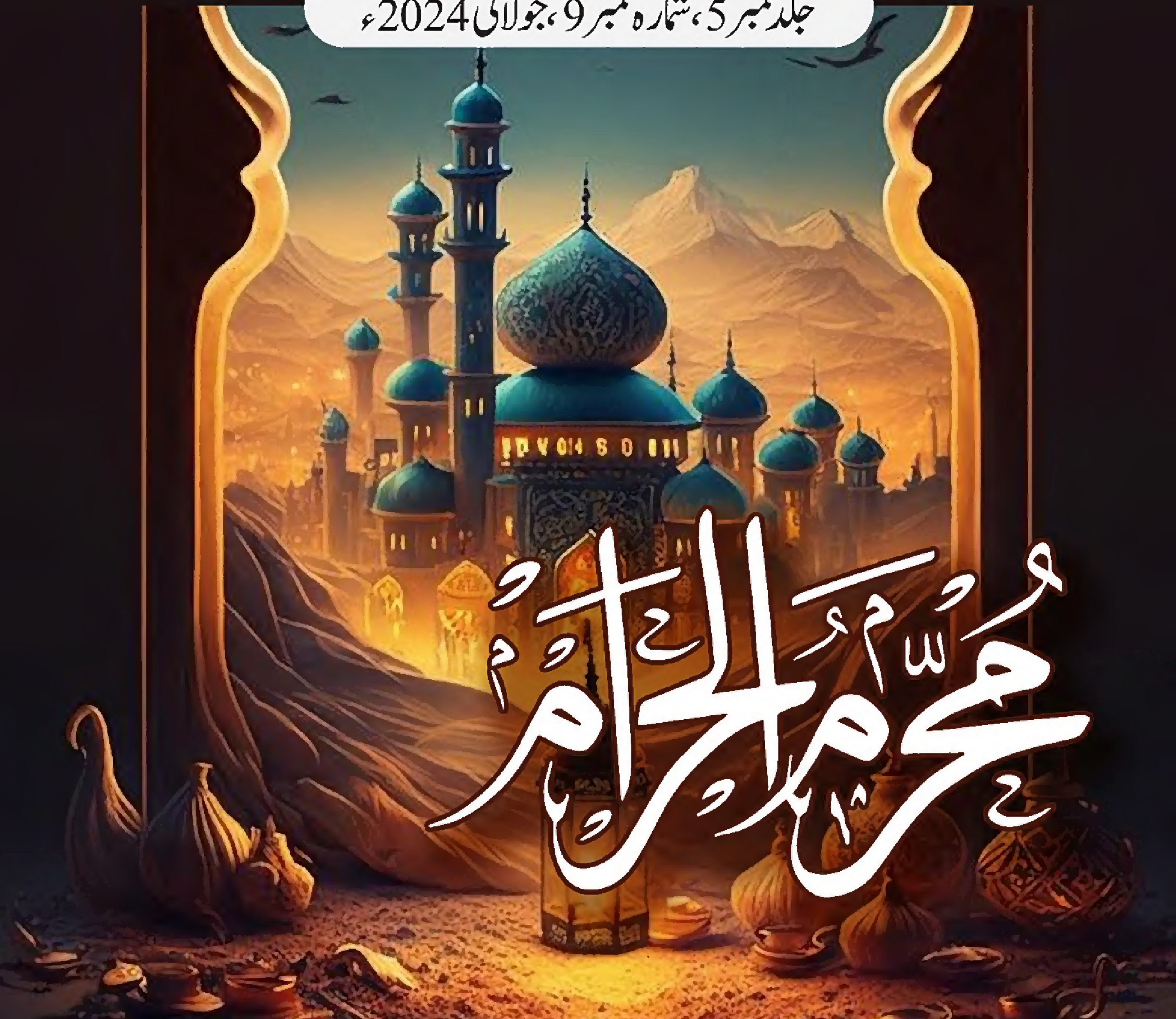

بیاد

یادگار اسلاف حضرت اقدس مولانا محمد یحییٰ مدنی نور اللہ مرقدہ

خلیفہ مجاز قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ

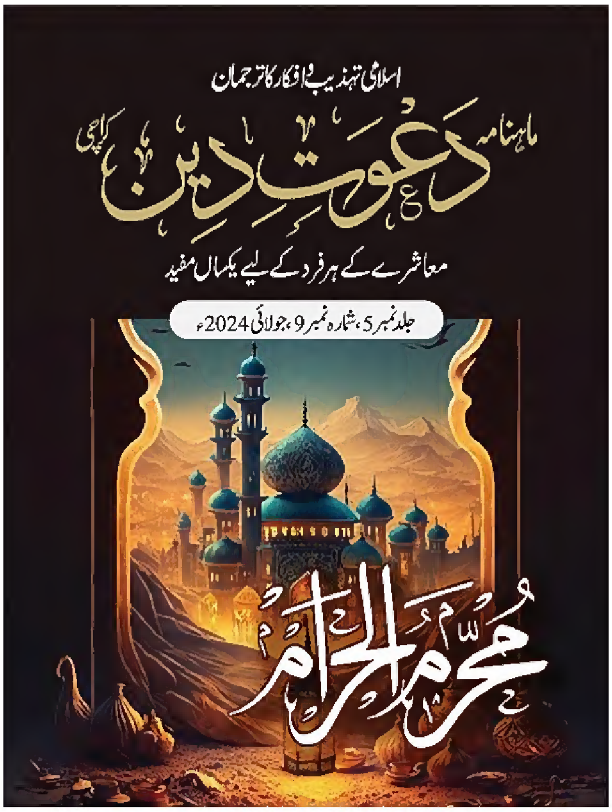

مدیر اعلیٰ:	مولانا محمد یوسف مدنی حفظہ اللہ
مدیر:	ضیاء الرحمٰن چترالی
تزئین وآرائش:	فیصل سعود
رابطہ برائے اشتہارات:	محمد عدنان باری 0334-2613991
قیمت:	فی شمارہ 100 روپے
زرسالانہ:	1200 روپے

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ

اور اس سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف دعوت دے

مدیر کے قلم سے	03
پیغام ربانی	05
نور نبوت	07
شیخ الحدیثؒ کی باتیں	08
شیخ یحییٰ المدنیؒ کی باتیں	09
خزینہ	10
بازارِ حسن سے حجاز مقدس کا سفر	11
اسلام یورپ کا اکثریتی مذہب	13
عرب نوجوان	15
99 کا قاعدہ	17
حافظ قرآن	19
اہل غزہ: مظلومان القدس	20
ملحدین اور بنجی جمپ	22
سدے تیمان	23
عودِ حرم	25
عورت کی گواہی	27
نیا سال	28
قاضی اور مسلح چور	29
نتن یاہو کا باپ	30
گوشۂ خواتین	32
روشنی کا مسافر	33
آپ کے شرعی مسائل اور ان کا حل	35
جامعہ کے شب وروز	36

f jamiayahyaMadni

@ info@JamiayahyaMadni.com

محرم الحرام کا بابرکت مہینہ سایہ فگن ہوا ہی چاہتا ہے۔ یہ قمری تقویم کے حساب سے سال کا پہلا مہینہ ہے۔ یکم محرم کے ساتھ قمری سال 1446ھ بھی شروع ہو گیا۔ ویسے چاند اور سورج دونوں خالق کائنات کے پیدا کردہ اور اس کے حکم سے ان کا نظام چل رہا ہے۔ مگر اسلامی عبادات کی بنیاد قمری حساب پر رکھا گیا ہے، اس لئے قمری تقویم کو اسلامی کہا جاتا ہے۔ قمری سال کے بارہ مہینوں میں سے چار کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، جنھیں اشہرِ حرم (حرمت والے مہینے) کہا جاتا ہے۔ محرم الحرام بھی ان میں شامل ہے۔ حرمت والے مہینوں کا احترام زمانہ جاہلیت جیسے تاریک دور میں بھی کیا جاتا تھا۔ عرب کے جاہل بدو بھی ان مہینوں میں قتل وقتال، کشت وخون اور لوٹ مار وغارت گری سے باز رہتے تھے۔ اس دوران باپ کا قاتل بھی سامنے آتا تو لوگ نظریں پھیر لیا کرتے تھے۔ ''محرم'' (احترام والا) نام بھی اس مہینے کو اس لئے دیا گیا ہے کہ اس میں معرکہ کارزار گرم کرنا سنگین جرم ہے۔ حدیث مبارک میں محرم کو ''خدا کا مہینہ'' قرار دیا گیا ہے۔ جس سے اس کی عظمت واہمیت واضح ہوتی ہے۔ نبی کریمؐ رمضان المبارک کے بعد سب سے زیادہ روزے اس مہینے میں رکھتے تھے۔ پھر محرم الحرام کی دسویں تاریخ یعنی یوم عاشور خصوصی فضائل کا حامل ہے۔ اسلام میں پہلے اس دن کا روزہ فرض تھا۔ بعد میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد یہ حکم تو منسوخ ہو گیا، تاہم اس نفلی روزے کی فضیلت واہمیت اب بھی باقی ہے۔ رمضان المبارک کے بعد یوم عاشور کے روزے کو سب سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عاشوراء کے دن قریش جاہلیت کے زمانے میں روزہ رکھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے، پھر جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے مسلمانوں کو بھی عاشوراء کا روزہ رکھنے کا حکم دیا، پھر جب رمضان کے روزے فرض کردیئے گئے تو اب وہی فرض ہیں اور عاشوراء کے روزے کی فرضیت چھوڑ دی گئی، اب جو چاہے رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔ (حدیث صحیح، جامع الترمذی 1/158) اس لئے محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنا مستحب ہے، رمضان کے علاوہ باقی گیارہ مہینوں کے روزوں میں محرم کی دسویں تاریخ کے روزے کا ثواب سب سے زیادہ ہے اور اس ایک روزے کی وجہ سے گزرے ہوئے ایک سال کے گناہِ صغیرہ معاف ہو جاتے ہیں، اس کے ساتھ نویں یا گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھنا بھی مستحب ہے، صرف دسویں محرم کا روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدنی دور کے آغاز سے ہی عاشوراء کا روزہ رکھا اور ابتدا میں آپؐ ہر عمل میں اہلِ کتاب کی مخالفت نہیں کرتے تھے، بلکہ ابتداءِ اسلام میں بہت سے اعمال میں تالیفِ قلوب کے لیے نرمی کی گئی، مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس مقرر کیا گیا وغیرہ۔ مدینہ منورہ آنے کے بعد آپؐ اور صحابہ کرامؓ تو اسلام کے حکم کے مطابق عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے، جب آپؐ نے یہود کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا تو آپؐ نے اس کے متعلق ان سے دریافت کیا، چناں چہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں، رسول اقدسؐ نے ان سے فرمایا: یہ کیسا دن ہے جس کا تم روزہ رکھتے ہو؟ یہود نے کہا: یہ بڑا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا تھا، اس کے شکر میں موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا، ہم بھی اسی لیے روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ہم موسیٰ علیہ السلام کے طریقے کی پیروی اور اتباع کے زیادہ حق دار اور ان سے قریب ہیں، چناں چہ آپؐ نے خود بھی روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی عاشوراء کے روزے کا حکم دیا۔ (بخاری ومسلم) حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس محرم کے دِن روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی اِس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ ایسا دن ہے کہ یہود ونصاریٰ اس کی بہت تعظیم کرتے ہیں (اور روزہ رکھ کر ہم اِس دِن کی تعظیم کرنے میں یہود و نصاریٰ کی موافقت کرنے لگتے ہیں جب کہ ہمارے اور اُن کے دین میں بڑا فرق ہے)۔ آپ نے فرمایا: آئندہ سال اِن شاءاللہ ہم نویں تاریخ کو (بھی) روزہ رکھیں گے (تاکہ یہود کی مخالفت ہو) حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ آئندہ سال محرم سے پہلے ہی آپ کا وصال ہوگیا۔ (صحیح مسلم، 2/797) ہمیں بھی چاہیئے کہ اس دن روزے کا اہتمام کریں۔ چونکہ اسلامی تاریخ کے کئی اہم واقعات بھی اس مہینے میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ یکم محرم الحرام کو دوسرے خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروقؓ کی شہادت کا سانحہ رونما ہوا تو دسویں محرم کو کربلا میں نواسۂ رسولؐ، سیدنا حسین بن علیؓ کی مظلومانہ شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ ان واقعات خصوصاً واقعہ کربلا کی مناسبت سے محرم میں جلسے جلوس منعقد ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سی خرافات وبدعات کا بھی دور دورہ ہوتا ہے۔ جن کا دین فطرت سے کوئی تعلق نہیں۔ مسلمان کو چاہیے صرف اسی بات کی پیروی کرے جو قرآن وسنت سے ثابت ہو۔ باقی ہر قسم کی بدعات سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ چونکہ نیا قمری سال اس مہینے سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے یہ احتساب ومنصوبہ بندی کی بھی دعوت دیتا ہے کہ پچھلے برس ہم سے دین ودنیا کے جن مقصودی امور میں کوتاہی ہوئی، ہم نے غفلت کے مرتکب ہوکر وقت ضائع کیا، نئے سال اس سے بچنے کا عزم صمیم کرکے اپنے لئے اہداف مقرر کریں اور ٹائم ٹیبل بناکر اسی مطابق اگلا سال گزاریں۔ اپنے نفس کا محاسبہ کریں کہ ہماری عمر عزیز کا ایک قیمتی سال گزر گیا، اس میں ہم نے کیا پایا اور کیا کھویا؟ گزرا وقت اگرچہ واپس نہیں آتا لیکن مستقبل کے لیے منصوبہ بندی کرتے ہم مزید وقت کو ضیاع سے بچاسکتے ہیں۔ اسی طرح ہمیں یہ بھی سوچنا ہے کہ ایک سال گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم موت کے مزید قریب ہوگئے تو سوچنے کی بات ہے کہ ہم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اگر ہمارے ذمے واجب حقوق ہیں انہیں ادا کرنے کے لیے فریم ورک تیار کرے۔ خدانخواستہ یہ سال ہماری زندگی کا آخری سال بھی ہوسکتا ہے۔ نیز اپنا احتساب کرکے گناہوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی مضبوط پلاننگ کرنی چاہیئے۔ ضروری امور کو کل پر ٹالتے رہنا دانش مندوں کا وتیرہ ہے۔ پیغام اجل کسی لمحے بھی آسکتا ہے۔ ہمیں یہ بھی طے کرنا ہے کہ ہمارے دامن میں کون کونسی برائی اور بدخصائل ہیں۔ ایک ایک کرکے ان سے جان چھڑانے کی فکر کرنی چاہیئے، بلکہ اس کے لیے عملی اقدام اٹھاتے ہوئے کسی اللہ والے کے ساتھ تعلق جوڑنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس کے بغیر عام طور پر آسانی سے سرکش نفس کی اصلاح بہت مشکل ہے۔ گردش مہ وسال سے ہماری زندگی کا گراں قدر سرمایہ تیزی سے ختم ہورہا ہے۔ نیا سال ہمیں دعوت فکر دے رہا ہے کہ

"غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی"

شیخ الاسلام کا اخلاق حسنہ!

علی بن یعقوب البکری نے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کے خلاف فتویٰ دیا اور انہیں مرتد قرار دیا تو علامہ نے اپنی مشہور کتاب ''الاستغاثۃ'' تصنیف فرمائی۔ دلیل سے جواب نہ بن سکا تو ابن البکری اپنے متعلقین کا ٹولہ لے کر علامہ کی تاک میں بیٹھ گئے۔ جب وہ راستے سے گزر رہے تھے تو ان پر حملہ کردیا۔ علامہ کو شدید زدوکوب کیا اور ادھ موا کرکے بھاگ گئے۔ لوگ جمع ہوئے۔ انہیں اٹھایا۔ اس دوران پولیس کو بھی پتہ چل گیا۔ پولیس افسر بھی آگ بگولہ ہوگیا۔ اس نے شیخ الاسلامؒ سے کہا کہ اجازت ہو تو ابن البکری کو نشان عبرت بنادیں۔ فرمایا کہ نہیں۔ انتقام لینے کا حق یا تو مجھے ہے یا آپ کو اور یا حق تعالیٰ کو۔ میں نے اپنا حق معاف کردیا۔ اگر آپ کو حق ہے تو مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ رہا رب تعالیٰ کا حق تو اس کی مرضی، جیسا اپنا حق وصول فرمائے۔

لیکن پولیس والے نہیں مانے۔ وہ ابن البکری کی تلاش میں نکل گئے۔ ہر جگہ تلاش کیا گیا، مگر نہیں ملے۔ بعد میں پولیس کو پتہ چلا کہ علامہ ابن تیمیہ کے گھر میں چھپے ہوئے ہیں۔ شیخ الاسلامؒ نے انہیں پولیس کی دست درازی سے پناہ دے رکھی تھی۔ پھر خود حاکم وقت کے پاس جاکر ان کی سفارش کرکے وارنٹ ختم کرادیئے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ شیخ الاسلام ایسے اخلاق حسنہ سے متصف تھے، جو انبیائے کرامؑ کا خاصہ ہے۔

(البداية والنهاية، ١٤/٧٦، ذيل طبقات الحنابلة ٢/٤٠٠، العقود الدرية ص٢٨٦، والكواكب الدرية ص١٣٩)

پیغام ربانی

ہر خرابی کی جڑ

رب العالمین جل شانہ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے، سو ان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بیر بذریعہ شراب اور جوئے کے اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے، سو اب بھی تم باز آؤ گے؟ اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور بچتے رہو، پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف پہنچا دینا ہے کھول کر''۔(المائدۃ آیت:90 تا92)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص ایک بار شراب پیے اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں فرمائیں گے، اگر وہ توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی، دوبارہ شراب پیے تو پھر چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی اور توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیں گے، سہ بار شراب پیے تو پھر اس کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں ہوگی اور توبہ کر لے تو توبہ قبول ہوگی اور اگر چوتھی بار شراب نوشی کا مرتکب ہو تو پھر اس کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں ہوگی اور اب اگر توبہ بھی کرنا چاہے تو اندیشہ ہے کہ اس کی توفیق نہ ہو، بلکہ اسی جرم پر اس کا خاتمہ ہو اور اللہ تعالیٰ اسے ''نہرِ خبال'' سے (جس سے دوزخیوں کی پیپ بہتی ہے) پلائیں گے''۔(رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ مذکورہ بالا آیات کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ''دیکھئے! اس آیت کریمہ میں شراب کی حرمت کس موثر انداز سے بیان فرمائی ہے، کسی حرام اور ممنوع چیز کی حرمت کا اعلان اس انداز سے نہیں کیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ ممانعت کی علت وحکمت بھی دینی و دنیوی دونوں پہلو سے بیان فرمادی، کسی تشریح وتفسیر کے بغیر صرف ترجمہ سمجھ کر اس آیت کو بار بار پڑھئے اور سوچئے کہ کتنا بلیغ پیرایۂ بیان اختیار کیا گیا ہے''۔(بصائر وعبر، ج:2،ص:69،70)

مشکوٰۃ کے حاشیے پر لکھا ہے کہ سورۃ المائدۃ کی ان آیات میں شراب کی حرمت پر سات دلائل دیئے گئے ہیں:

1۔قرآن کریم نے شراب کو ''رجس'' کہا ہے اور ''رجس'' کا معنی نجاست اور گندگی ہے اور ہر آدمی جانتا ہے کہ ہر نجاست وگندگی شریعت مطہرہ اور عقل سلیم کے نزدیک حرام ہے۔

2۔اللہ تعالیٰ نے شراب کو ''شیطانی عمل'' فرمایا ہے اور شیطان کا ہر عمل حرام ہے۔

3۔قرآن کریم کا حکم ہے ''اس سے بچو'' اور اللہ تعالیٰ جس چیز سے بچنے کا حکم فرمائیں تو وہ حرام ہوتی ہے۔

4۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''تاکہ تم فلاح پاؤ'' جس چیز کے اجتناب سے فلاح اور کامیابی متعلق ہو، اس کا کرنا حرام ہے۔

5۔فرمایا گیا کہ شراب کے ذریعے شیطان تم میں عداوت ڈالنا چاہتا ہے اور جو چیز مسلمانوں میں بغض اور عداوت کا سبب بنے تو وہ حرام ہوتی ہے۔

6۔فرمایا شیطان تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روکنا چاہتا ہے اور جس چیز کے ذریعے شیطان مسلمانوں کو اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، وہ چیز حرام ہوتی ہے۔

7۔فرمایا کہ ''رک جاؤ'' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جس چیز سے رکنے کا فرمادیں تو پھر اس چیز کا کرنا حرام ہوتا ہے۔

''چونکہ عرب میں شراب کا رواج انتہاء کو پہنچ چکا تھا اور اس کا دفعۃً چھڑا دینا مخاطبین کے لحاظ سے سہل نہ تھا، اس لئے نہایت حکیمانہ تدریج سے اولاً قلوب میں اس کی نفرت بٹھائی گئی اور آہستہ آہستہ حکمِ تحریم سے مانوس کیا گیا، جس میں صاف

صاف بت پرستی کی طرح اس گندی چیز سے اجتناب کرنے کی ہدایت تھی‘‘۔

دین اسلام دین فطرت ہے جو انسانیت کو پاکیزگی و پاک بازی، عفت و پاک دامنی، شرم وحیا اور راست گوئی وراست بازی جیسی اعلیٰ صفات سے متصف اور مزین دیکھنا چاہتا ہے۔اس کے مقابلہ میں بے شرمی، بے حیائی، بے عقلی، بدگوئی اور بے راہ روی جیسی مبغوض وملعون عادات اور خسیس ورذیل حرکات سے بچنے کا حکم اور امر کرتا ہے۔شراب چونکہ ان تمام بے برائیوں کی جڑ اورام الخبائث ہے۔اس لیے اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ایک مسلمان کیلئے جس طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی فرضیت کا عقیدہ رکھنا، ان کا علم حاصل کرنا اور ان پر عمل کرنا فرض اور ضروری ہے، اسی طرح شراب، جوا، سود، زنا اور چوری کی حرمت کا عقیدہ رکھنا، اس کی حرمت کا علم حاصل کرنا اور اس سے بچنا بھی فرض اور ضروری ہے۔شراب کے نفع ونقصان، حلال وحرام ہونے کے اوقات، پھر قطعی طور پر ممانعت کا حکم اور حرمت وممانعت کی حکمت کا ذکر قرآن کریم میں تین مقامات پر آیا ہے:

1۔ترجمہ:’’تجھ سے پوچھتے ہیں شراب کا اور جوئے کا، کہہ دے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدہ سے‘‘۔(البقرہ)

اس آیت میں شراب کی بابت سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا کہ اگرچہ شراب اور قمار میں کچھ فائدہ ہے، لیکن ان کا گناہ اور نقصان ان کے فائدہ سے شدید تر ہے۔ ہر آدمی جانتا ہے کہ شراب پینے سے عقل جاتی رہتی ہے اور یہی عقل ہی انسان کو تمام برائیوں اور افعال شنیعہ سے بچاتی ہے۔اس آیت کے نزول کے بعد بہت سی محتاط طبیعتوں نے مستقل طور پر شراب نوشی ترک کر دی، پھر کسی موقع پر نماز مغرب ہورہی تھی، امام صاحب نے نشہ کی حالت میں سورۃ الکافرون غلط پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً یہ آیت نازل فرمائی:

2۔ترجمہ:’’اے ایمان والو! نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو، یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو‘‘۔(النساء)

چونکہ اس آیت سے بھی شراب کی ناپسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے، جس کی بنا پر بہت سے حضرات صحابہ کرامؓ نے بالکلیہ شراب نوشی ترک کر دی اور بہت سوں نے نماز عصر اور نماز مغرب کے بعد شراب پینا اس لئے چھوڑ دیا کہ ان نمازوں کے اوقات قریب قریب ہیں۔اس کے بعد زیر بحث آیت نازل ہوئی، جس نے شراب کو بالکلیہ اور مطلقاً حرام کر دیا۔

☆......☆......☆

تین جماعتیں

حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ جب عشاء کی نماز ہوتی ہے تو تمام آدمی تین جماعتوں میں منقسم ہوجاتے ہیں۔ایک جماعت وہ ہے، جس کے لیے یہ رات نعمت ہے اور کمائی ہے اور بھلائی ہے یہ وہ حضرات ہیں جو رات کی فرصت کو غنیمت سمجھتے ہیں اور جب لوگ اپنے اپنے راحت وآرام اور سونے میں مشغول ہوجاتے ہیں تو یہ لوگ نماز میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ان کی رات ان کے لیے اجر وثواب بن جاتی ہے۔دوسری جماعت وہ ہے جس کے لیے رات وبال ہے، عذاب ہے۔یہ وہ جماعت ہے جو رات کی تنہائی اور فرصت کو غنیمت سمجھتی ہے اور گناہوں میں مشغول ہوجاتی ہے۔ان کی رات ان پر وبال بن جاتی ہے۔تیسری جماعت وہ ہے، جو عشاء کی نماز پڑھ کر سوجاتی ہے اس کے لیے نہ وبال نہ کمائی، نہ کچھ گیا نہ آیا۔

ایک دفعہ حضرت عیسیٰؑ دریا کے کنارے جا رہے تھے۔آپؑ نے ایک سفید رنگ کا مرغ دیکھا، جو دریا کے گدلے کیچڑ میں لوٹا اور وہ صاف جانور خوب گارے میں لت پت ہوگیا۔پھر وہاں سے نکل کر دریا میں نہایا اور پہلے کی طرح پھر اجلا اور صاف ہوگیا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس نے یہ فعل پانچ مرتبہ کیا۔حضرت عیسیٰؑ جانور کی یہ حالت دیکھ کر تعجب کرنے لگے۔جب آپ کے تعجب کی کوئی حد نہ رہی تو جبریلؑ تشریف لائے اور فرمایا۔

’’اے عیسیٰ! یہ جانور آپ کو اس لیے دکھایا گیا ہے تاکہ نبی کریمؐ کی امت کے نمازیوں کی مثال آپ سمجھ سکیں۔یہ کیچڑ ان کے گناہ ہیں اور یہ دریا ان کی نماز ہے اور کیچڑ میں لوٹنا ان کے گناہ کرنے کی مثال ہے۔ادھر انہوں نے گناہ کیا، ادھر نماز پڑھ کر گناہ کی تمام گندگی دھل گئی‘‘۔

کلام الٰہی اور نزول سکینہ

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ایک رات وہ اپنے کھجوروں کے گودام میں قرآن پڑھ رہے تھے کہ اسی دوران اچانک ان کا گھوڑا کودنے لگا۔ انہوں نے تلاوت کی تو وہ پھر کودنے لگا، انہوں نے پھر قرأت کی تو پھر کودنے لگا۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں وہ یحییٰ کو (جوان کے بیٹے تھے اور قریب میں سو رہے تھے) کچل نہ ڈالے، لہٰذا میں اس کی طرف اٹھا تو دیکھا کہ ایک سایہ سا میرے سر پر سایہ فگن ہے، جس میں چراغوں کی مانند روشنی ہے، جو فضا میں چڑھتی جا رہی ہے میری حد نظر تک۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صبح ہوئی تو میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آج رات تقریباً درمیانی شب میں، میں اپنے کھجور کے گودام میں تلاوت کر رہا تھا کہ اچانک میرا گھوڑا بدکنے لگا۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن حضیر! پڑھے جاؤ۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں پڑھتا رہا تو وہ پھر بدکنے لگا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن حضیر! پڑھے جاؤ۔ انہوں نے کہا: میں نے پڑھنا شروع کیا تو وہ پھر بھی بدکنے لگا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن حضیر! پڑھے جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ پھر میں فارغ ہو گیا (قرأت سے) یحییٰ قریب ہی تھا مجھے خوف ہوا کہ گھوڑا کہیں اسے روند نہ ڈالے تو میں نے دیکھا کہ ایک سایہ ہے، جس میں چراغ سے روشن ہیں جو حد نگاہ تک فضا میں بلند ہو رہے ہیں۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تو ملائکہ تھے، جو تمہاری تلاوت سن رہے تھے اور اگر تم تلاوت جاری رکھتے (اور پڑھتے رہتے) تو اس حال میں صبح کرتے کہ لوگ فرشتوں کو دیکھتے اور وہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہتے۔ (صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن)

حضرت اسید بن حضیرؓ شان والے صحابی ہیں، ان کی تلاوت قرآن کے دوران نزول سکینہ کا ذکر اس روایت کے علاوہ اور کئی روایات میں بھی آیا ہے۔ بعض روایات میں سورۃ الکہف پڑھنے کا بعض میں سورۃ البقرۃ پڑھنے کا ذکر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک سورت کے بعد حضرت اسیدؓ نے دوسری سورت کی تلاوت شروع کی ہو۔

محدثین نے یہاں یہ سوال اٹھایا ہے کہ سکینہ سے کیا مراد ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ سکینہ تسکین اور سکون سے ہے، جو اطمینان کے معنی میں ہے، یعنی سکینہ وہ تسکین قلبی، خاطر جمعی اور رحمت خداوندی ہے، جس سے دل پاکیزہ اور منور ہو جاتا ہے۔ سکینہ اگرچہ عام طور پر مشاہدہ میں نہیں آتی ہے، مگر کبھی کبھی بادل وغیرہ چھاؤں کی صورت میں ظاہر ہو جاتی ہے اور میدان جنگ و جہاد میں غنودگی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ عوام الناس بسا اوقات غفلت کو سکینہ سمجھتے ہیں۔ مجلس وعظ یا تلاوت میں شیطانی نیند کو سکینہ کہتے ہیں، یہ غلط ہے۔ علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی المعروف ''الابی المالکی'' نے سکینہ کے متعلق کئی اقوال نقل کیے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ سکینہ کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 248 میں آیا ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ سکینہ سے رحمت مراد ہے، بعض نے کہا کہ اس سے طمانیت واطمینان مراد ہے، بعض نے کہا کہ اس سے وقار اور انسان کی سنجیدگی مراد ہے، جس سے وہ سکون حاصل کرتا ہے، بعض نے کہا کہ سکینہ ایک عجیب شکل کی ہوا کا نام ہے، جو نہایت نرم انداز سے تیز تیز چلتی ہے، جس کا انسان کی طرح چہرہ ہوتا ہے، بلکہ بعض نے کہا کہ اس کے دو سر ہوتے ہیں، بعض نے کہا کہ سکینہ بلی کی طرح ایک حیوان ہوتا ہے، جس کے دو پر ہوتے ہیں اور ایک دم ہوتی ہے، اس کی آنکھوں میں ایسی شعاعیں ہوتی ہیں، جن سے جب وہ کسی لشکر کی طرف دیکھتا ہے تو لشکر پسپا ہو کر بھاگ جاتا ہے، بعض نے کہا کہ سکینہ جنت میں سونے کے ایک سکہ کا نام ہے، بعض نے کہا کہ سکینہ ان آیات الٰہیہ اور دلائل قاطعہ کا نام ہے، جن کے پہچاننے سے دل کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ ان تمام تعریفات میں ظاہر اور واضح تعریف یہ ہے کہ سکینہ فرشتوں کی ایک جماعت کا نام ہے، جو تلاوت قرآن کے وقت نازل ہوتی ہے، اس میں مختلف روشنیاں ہوتی ہیں، کبھی بادل ساتھ ہوتا ہے، کبھی سایہ ساتھ ہوتا ہے، کبھی دھند کی شکل ہوتی ہے، اس رنگا رنگی کی وجہ سے حیوان اسے دیکھ کر بدکنے لگ جاتا ہے، جس طرح مذکورہ حدیث میں گھوڑے کے بدکنے کا ذکر ہے۔ اس سے قرآن کریم اور اس کی تلاوت کی فضیلت واضح ہو جاتی ہے۔ (تحفۃ المنعم، شرح صحیح مسلم)

شیخ الحدیثؒ کی باتیں

اخلاص نیت کی اہمیت

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ حَامِدًا وَمُصَلِّيًا وَمُسَلِّمًا

اعمال کا مدار نیتوں پر ہے

فَاعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ

لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ، وَ إِنَّمَا لِأَمْرِءٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَ مَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ (متفق علیہ)

ترجمہ: اللہ جل شانہ کا پاک ارشاد ہے کہ اس کی عبادت اخلاص کے ساتھ کرو اور یہ کہ اس کے پاس قربانی کا گوشت یا اس کا خون نہیں پہنچتا، بلکہ اس کے پاس تقویٰ اور پرہیزگاری پہنچتی ہے۔“

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور آدمی کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کرے۔ جس کی ہجرت اپنی نیت کے اعتبار سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی، اللہ کے نزدیک اور مآل کے اعتبار سے بھی اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے ہوگی اس کی ہجرت بھی اسی کی طرف ہوگی جس کی نیت کی ہو۔“

یہ حدیث پاک بڑی جامع ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کو آدھا علم کہا ہے۔ بلکہ میرے نزدیک تو تصوف سارا کا سارا یہی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

حدیث پاک میں دو جملے ارشاد فرمائے گئے ہیں کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جس کی نیت کرے۔

دوسرا جملہ پہلے کی تائید بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ اکثروں نے کہا ہے اور مستقل دوسرا مضمون بھی ہوسکتا ہے اور یہ زیادہ اچھا ہے اور وہ یہ کہ آدمی کسی نیک کام میں جتنی نیتیں کرلے اللہ تعالیٰ سب ہی کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔

مولانا نواب قطب الدین صاحبؒ نے مظاہر حق میں اس کی بہت سی مثالیں لکھی ہیں۔ مثلاً مسجد کے جانے میں بہت سی نیتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ نیت اعتکاف کی کرے اور اس کے ساتھ اس کی بھی نیت کرے کہ رب کریم کے گھر حاضری ہے اور کریم اپنے یہاں آنے والوں کا اکرام کرتا ہی ہے۔ اس سے نماز کے انتظار میں جتنی دیر بیٹھے گا، اس کا مستقل ثواب ہوگا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص نماز کے انتظار میں رہتا ہے، وہ نماز ہی میں رہتا ہے اور یہ کہ اس مقام پر آنکھ، کان اور دیگر اعضاء کی معاصی سے حفاظت کا مقام ہے کہ بازار وغیرہ میں یہ سب اعضاء کسی نہ کسی گناہ میں مبتلا رہتے ہیں، ان سے حفاظت کی نیت کرے کہ اس کا مستقل ثواب ہوگا اور یہ نیت کرے کہ اس پاک جگہ میں دعا درود پڑھتا رہوں گا اس کا مستقل ثواب ہے اور یہ نیت بھی کرلے کہ یہاں یکسوئی اور کمال توجہ الی اللہ نصیب ہوگی، جس کا مستقل ثواب ہے اور یہ بھی نیت کرلے کہ وضو کر کے نماز کے لیے جانے کا ثواب حج اور عمرہ کا ہوتا ہے اور یہ بھی نیت کرلے کہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور علم حاصل کرنا اور علم سکھانا مجمع کی وجہ سے مسجد میں میسر ہوتا ہے اور یہ بھی نیت کرے کہ مسلمانوں سے ملاقات ہوگی کہ مستقل عبادت ہے اور انہیں سلام کرنے کا موقع ملے گا اور آخرت کے امور میں اللہ کی بارگاہ میں مراقبہ اور فکر کا موقع ملے گا اور اسی طرح سے بہت سے امور پیدا ہوسکتے ہیں اور جتنے امور کی آدمی نیت کرلے گا ان کا مستقل ثواب ملے گا۔ مالک کے یہاں عطا میں کوئی کمی نہیں ہے:

تو وہ داتا ہے کہ دینے کے لیے
در تری رحمت کے ہیں ہر دم کھلے

(جاری ہے)

مختصر سیرت و سوانح حیات

حضرت مولانا یحییٰ مدنیؒ

1429ھ ماہ ذی قعدہ میں حج کا مبارک سفر فرمایا۔ اس سفر میں اس کاتب الحروف کو بھی خدمت کی سعادت حاصل رہی۔ مولوی احمد بلال سلمہ اور کمانڈر بھائی فرید بھی ساتھ تھے۔ یہ سفر عموماً پیوندِ بقیع ہونے کی نیت سے ہوا کرتے تھے۔ اس نیت کا اس سفر میں خوب ظہور ہوا۔ لقاء اللہ کی تڑپ، صحت و مرض وغیرہ کے علاوہ اس پیرانہ سالی میں ہر سفر کی طرح مسجد نبویؐ کی تمام نمازوں کا باجماعت اہتمام، مدینہ طیبہ کے قیام کو بڑھانے کی کوشش اور معمولات، تلاوت و اوراد کی از حد پابندی عشق الٰہی اور عشق رسولؐ میں ڈوب جانا۔ ایسی کیفیت میں نکلنے والی نصائح آج بھی دل پر نقش ہیں۔ امسال بھی سفر کے بعد طبیعت بہتری کی طرف اور اٹھان کی طرف رواں دواں تھی۔ 2009ء: شعبان 1430ھ میں سفر عمرہ ہوا، جس میں الحاج بھائی عرفان صاحب کو شرف خدمت حاصل رہا۔ شوال 1430ھ میں معہد الرشید بلوچ کالونی مدرسہ کا افتتاح ہوا اور درجات قاعدہ، ناظرہ، حفظ اور درجات کتب میں درس و تدریس کا عمل شروع ہوا اور مرکز الامداد کے بعد معہد الرشید بلوچ کالونی پانچواں تعلیمی مرکز بنا۔ یہ سارے مراکز معہد الخلیل الاسلامی کے زیر انتظام ہیں۔ 1430ھ کے سفر حج میں مولوی احمد بلال سلمہ، مولوی احسان الحق اور بھائی عامر شمسی کی خدمت کی سعادت سے مشرف رہے۔ حج سے واپسی کے ایک دو ماہ بعد گر جانے کے سبب سے ران کے اوپر آئی اور کافی وقت گھر ہی میں علیل رہے۔

ان آخری سالوں میں طبیعت اور صحت میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہا۔ حضرت والد ماجدؒ فرمایا کرتے تھے کہ میری صحت صرف اس ہرے بھرے باغ میں ہے۔ مدرسہ کے تمام معاملات کی سرپرستی اور مفید مشورے، از خود رپورٹ طلب کرنا، متعلقہ افراد کو تنبیہ کرنا، مدرسہ کے امور میں ہر طرح باخبر رہنے میں صحت تھی۔ دوران سال کئی ماہ گھر میں علیل رہے۔ ہر وقت کسی ایک بیٹے کا ساتھ ضرور ہوا کرتا تھا۔ شعبان 1431ھ کے سفر عمرہ میں الحاج بھائی عرفان صاحب کو شرف خدمت و سعادت حاصل رہی۔ امسال بھی ماہ رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف فرمایا۔ نماز تراویح، نماز عشاء و فجر کی امامت کے علاوہ اکثر و بیشتر ذمہ داریاں (سحر و افطار کا نظم وغیرہ) اس عاجز کے نصیب میں آئیں۔ دیگر رمضانوں کی طرح امسال بھی حضرت والد صاحب کی طبیعت میں اُتار چڑھاؤ رہا۔ شوال 1331ھ میں حسب معمول امور مدرسہ، داخلوں کی ذمہ داری میں مشغولیت رہی۔ اسی دوران دل کی تکلیف ہوئی۔ امسال حج بیت اللہ کا سفر قریب آتا جا رہا تھا۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت میں اتار چڑھاؤ رہا۔ بالآخر دل میں بیٹری (سی آر ٹی) کے لگوانے سے فائدہ ہوا۔ ڈاکٹر اعظم شفقت صاحب نے طبہ اسپتال میں بیٹری لگائی۔ سفر انتہائی قریب تھا۔ شاید اسی وجہ سے طبیعت روبہ صحت ہوتی گئی۔ اس سخت بیماری میں معجزانہ سفر حج ہوا۔ مولوی احمد بلال سلمہ اس سفر میں ساتھ رہے، انہیں خدمت کا شرف حاصل رہا اور الخیر گروپ کے ذمہ داران نے بھی راحت و خدمت کا حق ادا کیا۔ حج سے واپسی پر طبیعت میں بہتری اور اٹھان شروع ہوئی۔ کچھ وقت کے لیے حسب صحت درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع فرمایا۔ تقریباً ماہ ذی الحج 1431ھ تک اسباق سے تعطل رہا اور محرم الحرام 1332ھ دسمبر میں اسباق شروع فرمائے۔ 26 جمادی الاولی 1434ھ مطابق 30 اپریل تک اسباق پڑھانے کا اندراج فرمایا ہے۔ غالباً اس کے بعد بھی کچھ اور اسباق ہوئے ہوں گے۔ 2010ء ماہ شعبان 1432ھ حسب معمول سفر مدینہ طیبہ فرمایا۔ وسط رمضان میں حسب معمول واپسی ہوئی۔ ناسازی طبیعت کے باوجود امسال بھی مسجد معہد الخلیل میں اعتکاف فرمایا۔ (جاری ہے)

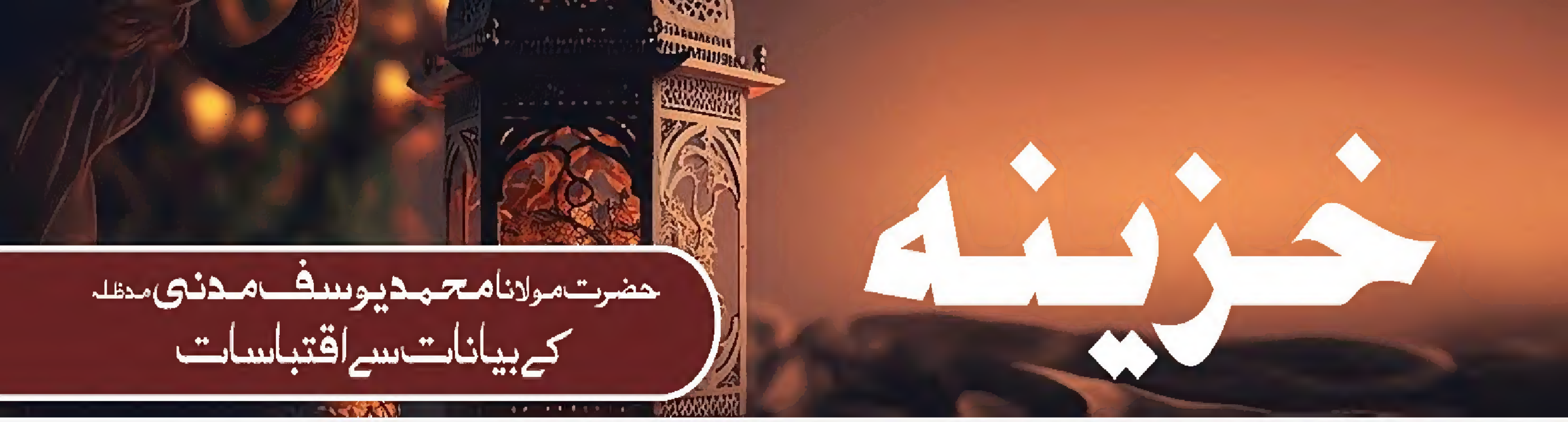

خزینہ

حضرت مولانا محمد یوسف مدنی مدظلہ
کے بیانات سے اقتباسات

برکت کا مفہوم:

برکت کا مطلب یہ ہوا کہ کسی چیز کا جو بنیادی مقصد ہے وہ حاصل ہوجائے۔ مال کا مقصد کیا ہے کہ اس مال سے ہمیں سکون حاصل ہو، کیونکہ اس سے ہم اپنی زندگی کی ضروریات پوری کریں گے، عزت والی زندگی حاصل ہو، دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے، اپنی ضروریات کے لئے دوسروں کے سامنے مارا مارا نہ پھرنا پڑے۔ صحت کا مقصد کیا ہے؟ تاکہ ہم اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کرسکیں اور زندگی کی جو خوشیاں ہیں ان سے بھرپور فائدہ اٹھاسکیں۔ جسمانی قوت کا مقصد کیا ہے؟ کہ اس قوت وطاقت کو ہم خیر کے کاموں میں، اللہ کی منشاء میں استعمال کریں اور اس سے آگے کھانے پینے کا مقصد کیا ہے کہ یہ کھانا ہمارا صحت کا ذریعہ بن جائے، اس سے صالح خون بنے، جسم تندرست ہو اور یہ جسم اللہ کی اطاعت میں، اللہ تعالیٰ کی رضا والے کاموں میں استعمال ہو۔

برکت کا مفہوم بڑا وسیع ہے:

تو برکت کا مفہوم بھی اب بڑا وسیع ہوگیا، یہ برکت صحت میں بھی ہوتی ہے، مال میں بھی ہوتی ہے، کاروبار اور مزدوری کے اندر بھی ہوتی ہے، گھربار کے اندر بھی ہوتی ہے، بلکہ ساری زندگی کے اندر ہی بسا اوقات یہ برکت آجاتی ہے۔ چنانچہ کبھی اللہ کسی کی زندگی میں برکت دیتے ہیں تو اس کے وقت میں بھی برکت ہوجاتی ہے۔ اب جب وقت میں برکت ہوگی تو اس کی وجہ سے تھوڑے وقت میں زیادہ وقت کا کام ہو جائے گا، بلکہ اتنا کام ہوجائے گا جو دوسرے لوگوں کے زیادہ وقت میں بھی نہیں ہوتا۔

وقت میں برکت: اللہ والوں نے کم وقت میں زیادہ کام کئے:

کتنے اللہ والے ہیں، جتنی عمریں زیادہ نہیں تھیں، زندگیاں بظاہر تھوڑی تھیں، لیکن انہوں نے اتنے بڑے بڑے کام کرلئے۔ کیوں کر لیے؟ اس لئے کہ اللہ نے ان کی زندگیوں میں برکت ڈال دی تھی، ان کے اوقات میں برکت ڈال دی تھی۔

صحت میں اگر برکت آجائے:

یہ برکت اگر صحت میں آجائے تو آدمی اس صحت کو فضولیات میں ضائع نہیں کرتا، گناہ کے کام میں، زندگی کی رنگینیوں میں برباد نہیں کرتا، بلکہ اس صحت وجوانی اور قوت کو اللہ کے دین کی سربلندی کے کاموں میں استعمال کرتا ہے اور اللہ کی رضا کے کاموں میں استعمال کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ نے کیسی صحتوں والی زندگی دی تھی، لیکن ان کی صحت میں برکت تھی، اس لئے ایک ایک صحابی کی زندگی اللہ کے دین میں لگی اور یہی صحت، جوانی اور قوت کو کتنے لوگ دنیا بنانے میں استعمال کرتے ہیں، طاقتور ہیں، صحت مند ہیں، جوان ہیں، اب رات دن فکر لگی ہے کہ میرا کاروبار بن جائے، برسوں محنت کرکے کاروبار کو اٹھاتے ہیں اور زیرو سے ہیرو بن جاتے ہیں، لیکن کیا فائدہ حاصل ہوگا، اگر اس کا کاروبار بن گیا اور مال حاصل ہوگیا؟ تو ہر چیز کا اصل مقصد ہے، وہ حاصل ہوجائے، یہ بھی تو ضروری ہے۔ جب یہ جسم، جوانی، یہ صحت، یہ قوت، یہ مال، یہ اولاد اللہ کے کاموں میں استعمال ہوجائے گی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اصل مقصد حاصل ہوگیا۔ برکت کی وجہ سے انسان کی زندگی اس دنیا میں ہی بن جائے گی اور جب یہ برکت آئے گی تو انسان کی آخرت سے پہلے اس کی دنیا میں بن جائے گی، اس لئے برکت ہم سب کی ضرورت ہے، اور ہم سب کی خواہش ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے رزق میں برکت ڈال دے، اس لئے کہ جب رزق میں برکت آجائے گی تو سچی خوشی بھی آئے گی اور زندگی کا سکون بھی میسر ہوگا اور دنیا کی پریشانیاں بھی آسان ہوجائیں گی اور دل سے وحشت اور بے سکونی کی کیفیت ختم ہو جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے برکت والی زندگی دیدی، پھر یہ فکر نہیں ہوگی کہ میرا مال زیادہ ہوجائے، میرا کاروبار خوب بڑھ جائے، ایک کے بجائے دو اور دو کے بجائے چار کارخانے ہوجائیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اسے اطمینان والی زندگی دیدیں گے، پرسکون زندگی دیدیں گے اور جسے اطمینان اور سکون مل جائے وہ دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ ہے اور اطمینان اور سکون کی ایک علامت یہ ہے کہ اسے جو چیز نہیں ملی اس کا غم نہ ہو، افسوس نہ ہو، انسان کو بہت سی چیزیں ملتی ہیں اور بہت سی چیزیں نہیں ہوتیں۔ اگر انسان کو یہ کیفیت حاصل ہے کہ جو چیزیں اسے حاصل ہیں ان کا احساس ہے، ان کی خوشی ہے اسے اور اس کے شکر میں مشغول ہے اور جو چیز نہیں ہے، اس کا غم نہیں ہے، اس کی ناشکری میں مبتلا نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی پرسکون ہے اور مطمئن ہے۔

(جاری ہے)

دوسرا و آخری حصہ

بازارِ حسن سے حجاز مقدس کا سفر

حج کا موسم شروع ہو چکا ہے۔ دنیا بھر سے کعبہ کے دیوانے اور دیارِ حبیبؐ کے پروانے حجاز مقدس پہنچ رہے ہیں۔ اس مناسبت سے ہم سفرِ حج کی ایک داستان قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں، جو نہایت ہی ایمان افروز ہے۔ جب حق تعالیٰ ہدایت دینا چاہے تو حسن کے بازار کا بڑا بیوپاری بھی رب کے در کا سوالی بن جاتا ہے۔ دل کے تاروں کو چھیڑنے والی یہ سچی داستان بھی کچھ اسی قسم کی ہے۔ آیئے ”اندھیری راہوں کی اس خوش نصیب مسافر“ کی کہانی سنتے ہیں۔

سلویٰ کے سعودی گاہک نے ایک دن سلویٰ سے کہا: اگر تمہیں پیسہ ہی درکار ہے تو میرے پاس جدہ آجاؤ۔ وہاں تمہیں کتنے ہی امیر کبیر گاہک مل جائیں گے۔ طوائف کا ایمان پیسہ ہوتا ہے۔ سلویٰ نے غور و فکر کیا اور کہا: ٹھیک ہے تم مجھے ویزا بھجوا دو، میں جدہ آجاؤں گی۔

وہ دن بھی آیا جب اس کے پاسپورٹ پر سعودی عرب کا ویزا لگ چکا تھا۔ اس کے سعودی گاہک نے کہا کہ تم بغیر ساز و سامان کے مختصر ترین سامان کے ساتھ جدہ آجاؤ، وہاں ہر چیز مل جائے گی۔ جب تم ایئرپورٹ پر اترو گی تو ایئرپورٹ پر گاڑی تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔ فکر نہ کرنا تمہارے لیے ہوٹل بک ہوگا۔

ان ایام میں مراکش سے جدہ کے لیے حج پروازیں جا رہی تھیں۔ سلویٰ نے اپنا خوبصورت ترین لباس پہنا، خوب میک اپ کیا اور جہاز پر سوار ہوگئی۔ اس نے دیکھا کہ حج کی وجہ سے بیشتر مسافروں نے احرام باندھے ہوئے ہیں۔ وہ ان محدود ے چند مسافروں میں سے تھی، جو حج کرنے نہیں جا رہے تھے۔ وہ تو اپنے خاص گاہک سے ملنے اور جدہ شہر میں فسق و فجور کا بازار گرم کرنے جا رہی تھی۔

اگلی سیٹوں پر بیٹھی تو اس کے ارد گرد حج پر جانے والی خواتین تھیں، جنہوں نے حجاب کیا ہوا تھا۔ کچھ دیر تو وہ کرسی کی پشت کی جیب میں رکھے ہوئے میگزین کے ساتھ کھیلتی رہی، پھر اس نے کھانا کھایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی آنکھ لگ گئی۔ نجانے وہ کب تک سوتی رہی۔ آنکھ کھلی تو جہاز کا پائلٹ اعلان کر رہا تھا کہ کچھ دیر بعد ہم لوگ میقات سے گزریں گے، جو مسافر حج کی نیت سے جدہ جا رہے ہیں، وہ اپنے احرام باندھ لیں۔ اعلان کے ساتھ ہوائی جہاز کے مسافروں میں ہلچل مچ گئی۔ وہ زور زور سے تلبیہ بلند کرنے لگے:

”لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیکَ لَکَ لَبَّیْکَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَا شَرِیکَ لَکَ لَبَّیْکَ“

”میں حاضر ہوں میرے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بلاشبہ ہر تعریف تیرے لیے اور ہر نعمت تیری ہی طرف سے ہے اور تیری ہی بادشاہت ہے، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔“

سلویٰ نے تلبیہ سنا تو اس کے جذبات میں بھی ہلچل مچ گئی۔ میں کہاں جا رہی ہوں۔ کس جگہ اور کیوں جا رہی ہوں؟ ایک انجانی قوت نے اسے سیٹ سے اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ تو سولہ سنگھار کر کے آئی تھی۔ اس نے قریب بیٹھی ہوئی خاتون سے کہا:

تمھارے پاس کوئی فالتو کپڑے ہیں؟ اس نے اسے حیرت سے دیکھا اور پھر اسے فالتو کپڑوں کا ایک جوڑا تھما دیا۔ اب اس کا رخ واش روم کی طرف تھا۔ اس نے میک اپ اتارا، کپڑے تبدیل کر کے اپنی سیٹ پر آئی تو ایک خاتون نے اسے سفید مراکشی جلباب اور ٹوپی دے دی۔ اس نے اسے پہن لیا۔ میقات آئی اور گزر گئی۔ اب سلویٰ ایک نئے روپ میں تھی۔

جہاز جدہ ایئرپورٹ پر اترا تو آواز آئی: سیدہ سلویٰ سے گزارش ہے کہ وہ آگے آ جائے۔ اس کے ساتھ وی آئی پی سلوک ہوا۔ ہوائی جہاز سے سب سے پہلے اترنے والی سلویٰ ہی تھی۔ نیچے اتری، امیگریشن اور کسٹم سے فارغ ہوئی تو خوبصورت قیمتی گاڑی اس کے استقبال کے لیے موجود تھی۔ گاڑی میں بیٹھی تو گاڑی کا رخ ہوٹل کی طرف تھا۔ اس کا کمرہ پہلے سے بک تھا۔ کمرے میں گئی تو وہ بیڈ پر لیٹ گئی۔ لمبے سفر کی وجہ سے اسے آرام کی ضرورت تھی۔ وہ فوراً ہی سو گئی۔

اس نے ایک خواب دیکھا کہ ایک شخص اپنے دائیں ہاتھ میں فانوس لیے کھڑا ہے۔ فانوس سے نور بکھر رہا ہے۔ نور سے دور دور تک روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ اس شخص کے بائیں ہاتھ میں آگ کا شعلہ ہے، جس سے اس کے جسم کے ایک ایک حصے کو جلایا جا رہا ہے۔

سلویٰ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اسے بڑا ڈر لگ رہا تھا۔ خواب بڑا واضح تھا۔ اس کے سامنے دونوں راستے تھے۔ خیر اور شر کا راستہ۔ ایک ہدایت کا اور دوسرا ظلمت کا راستہ ہے۔ اس نے آنکھیں بند کر کے اپنی سابقہ زندگی پر غور کیا۔ اسے اپنے آپ سے گھن آئی۔ اس نے سوچا غور کیا اور ایک عجیب فیصلہ کیا۔ اس نے اپنا مختصر ترین سامان اپنے ہمراہ لیا۔ کمرے سے نیچے اتری۔ ہوٹل سے باہر آئی تو اسے ایک ٹیکسی نظر آئی۔ اس نے ڈرائیور سے کہا: مجھے مکہ مکرمہ جانا ہے، مگر اس سے پہلے میقات چلو۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب حج کے ایام میں مکہ مکرمہ جانے والوں پر زیادہ پابندیاں نہ تھیں۔ ٹیکسی ڈرائیور اسے میقات پر لے گیا۔ میقات پر پہنچ کر اس نے غسل کیا، وضو کر کے احرام باندھا۔ حج کی نیت کی اور تلبیہ بلند کیا۔ وہ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کہتی ہوئی ٹیکسی پر سوار ہوئی۔ اب وہ سوئے حرم رواں تھی۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئی تو اس کی زبان پر لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کی صدائیں جاری تھیں۔ کعبہ شریف میں داخل ہوئی، طواف کیا۔ سات چکر لگائے، سچے دل سے توبہ کی، مقام ابراہیم پر آئی، دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد زمزم پیا۔ ایسا لگا کہ اس کی تمام روحانی وجسمانی بیماریاں زائل ہو گئی ہیں۔

اب اس کا رخ صفا کی طرف تھا۔ اس نے صفا اور مروہ کے درمیان چکر لگانے شروع کیے۔ جب چھٹے چکر میں تھی تو اسے اپنی بصارت پر اعتبار نہ آیا۔ اچانک اسے بریگیڈیئر عبدالعزیز سعی کرتا نظر آیا۔ ہاں وہی بریگیڈیئر عبدالعزیز جس کا نام اس نے "عميد المصيبه" رکھا ہوا تھا۔ جسے اس نے مراکش سے دوسرے شہر ٹرانسفر کروا دیا تھا۔ سلویٰ اپنے آپ کو روک نہ سکی۔ اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ کہنے لگی: عبدالعزیز! تم یہاں پر بھی آ گئے ہو؟ عبدالعزیز نے نگاہیں اٹھائیں، اس کے سامنے سلویٰ کھڑی تھی۔ کہنے لگا: ارے تم یہاں کہاں آ گئیں!!

سلویٰ کہنے لگی: میں بھی تمھاری طرح رحمان کی ضیافت میں ہوں۔ تمھیں کیا معلوم کہ میرے رب نے میری توبہ قبول کر لی ہے، اس نے مجھے ہدایت عطا کر دی ہے۔ وہ اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔ عبدالعزیز نے کہا: میں بھی رحمان کی ضیافت میں ہوں۔ دونوں نے سعی مکمل کی۔ سلویٰ نے کہا: اگر تمھارے لیے ممکن ہو تو مناسک حج میں مجھے اپنے ساتھ رکھ لو۔ میں اکیلی ہوں، حج کیسے کر سکوں گی۔

عبدالعزیز نے قافلے کے ذمہ داران سے درخواست اور سفارش کی جسے قبول کر لیا گیا۔ یوں سلویٰ نے حج کے باقی ارکان اپنی قوم کے افراد کے ساتھ ادا کیے۔ سلویٰ نے حج کے ارکان پورے کیے۔ اب قافلہ کا رخ مدینہ منورہ کی طرف تھا۔ سلویٰ بھی مدینہ پہنچ گئی۔ عبدالعزیز سلویٰ کو دیکھتا رہا، اس کا انداز بالکل بدل گیا تھا۔ حج نے اس پر بہت گہرا اثر ڈالا تھا۔ وہ اب رحمان کی بندی بن گئی تھی۔ عبدالعزیز کی سلویٰ کے بارے میں رائے تبدیل ہو چکی تھی، وہ اس کی توبہ سے بڑا خوش تھا۔ سلویٰ نے اسے جدہ ایئرپورٹ سے اترنے کے بعد کے سارے واقعات سنائے۔

سلویٰ نے عبدالعزیز سے کہا: میرے پاس مراکش میں خاصی دولت ہے جو میں نے غلط کاموں سے کمائی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اسے اچھے کاموں میں لگا دوں۔ کیا تم میری مدد کرو گے؟ عبدالعزیز نے کہا: ہاں ایک شرط پر! وہ کیا؟ سلویٰ بولی۔ عبدالعزیز نے کہا: یہ کہ تم ہمیشہ کے لیے میرے دامن سے وابستہ ہو جاؤ۔ سلویٰ نے لمحہ بھر سوچا، سر تسلیم خم کر دیا اور کہا: ہاں! میں آپ کو اپنے خاوند کے طور پر قبول کرتی ہوں۔

دوسرا و آخری حصہ

اسلام یورپ کا اکثریتی مذہب بننے والا ہے!

ابوصوفیہ

دین کی وراثت:

یورپ میں مستقبل میں اسلام کے غلبہ کو مضبوط کرنے والے عوامل میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کے تقریباً تمام بچے مسلمان ہی ہوتے ہیں، جبکہ عیسائیوں کے بچے ایسے نہیں ہوتے۔ ان میں ارتداد کی شرح بہت زیادہ ہے۔ فرانس میں کی گئی ایک سماجی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں میں مذہب کی وراثت زیادہ مضبوط ہے، کیونکہ 91 فیصد افراد جو ایک مسلمان خاندان میں پلے بڑھے ہیں، ان میں سے صرف 67 فیصد عیسائیوں کے مقابلے میں اپنے باپ دادا کے مذہب سے وابستگی کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ایک اور عنصر بھی ہے، جو مستقبل قریب میں رہے گا، وہ یہ کہ زیادہ تر مسلمانوں کی ہجرت کا اصل محرک ان کے آبائی ممالک کے پریشان کن حالات اور مشکل معاشی صورتحال ہے۔ ان ممالک میں کوئی ایسی بنیادی تبدیلیاں رونما نہیں ہو رہی ہیں، جو استحکام اور خوشحالی کی علامت ہوں، جس کے نتیجے میں یورپ سے مسلمان یا ان کی اولاد واپس نقل مکانی کر کے اپنے اصلی ممالک کو لوٹ جائیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ یورپ بہتر زندگی کے مواقع کی تلاش میں مسلمان بچوں کو اپنی طرف راغب کرتا رہے گا اور وہ وہیں مستقل مقیم رہیں گے۔

ایک بااثر موجودگی:

یورپ میں اسلام کے پھیلاؤ کا واضح ثبوت یہ بھی ہے کہ یہاں مسلمان ایک سیاسی قوت بن چکے ہیں، اب انتخابات میں ان کے ووٹ بینک کا خیال رکھا جانے لگا ہے۔ اس کی واضح ترین مثال اسی رواں ماہ مئی کے شروع میں ہونے والے برطانوی بلدیاتی انتخابات ہیں۔ جن کے نتائج پر مسلمانوں بڑے پیمانے پر اثر انداز ہوئے۔ انہوں نے غزہ پر اسرائیلی جارحیت کی حمایت کرنے کی وجہ سے کنزرویٹو پارٹی کو 40 برسوں میں بدترین انتخابی شکست سے دوچار کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا اور اسی غزہ کی وجہ سے انہوں نے لیبر پارٹی کو بھی سزا دی۔ اس کی وجہ سے برطانوی پارٹیوں کی پوزیشنوں میں بنیادی تبدیلی آئی، لبرل پارٹی تیسرے نمبر پر آگئی اور مسلم ووٹر اس وقت حکمران کنزرویٹو پارٹی کے امیدوار کو کامیاب ہونے سے روکنے میں کامیاب ہو گئے، جو مسلمانوں کے خلاف اپنی دشمنی کے لیے مشہور ہے۔ وہ پاکستانی نژاد صادق خان کے مقابلے میں دارالحکومت لندن کا میئر بننے میں کامیاب نہ ہو سکا اور صادق صادق نے مسلسل تیسری بات میئر بن گئے۔ لیبر پارٹی کی قیادت نے تسلیم کیا ہے کہ غزہ کے حامیوں کی طرف سے ہمیں پیغام موصول ہوا ہے اور وہ اس پر غور کر رہی ہے، اس لیے مبصرین اس بات کو خارج از امکان قرار نہیں دیتے کہ پارٹی آنے والے دنوں میں فلسطین سے متعلق اپنی پالیسی میں تبدیلی لائے گی تا کہ آنے والے قانون ساز انتخابات میں اکثریت حاصل کرنے کے لیے مسلم ووٹروں کی حمایت مل سکے۔

مبالغہ آرائی:

یورپ میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ اور اسلام کی ترقی مذکورہ بالا واضح اعداد و شمار اور معروضی حالات کی روشنی میں اپنی جگہ مسلم ہے، لیکن بعض طاقتیں اسے مزید

بڑھا چڑھا کر پیش کر کے بڑے مبالغہ آرائی سے کام لے رہی ہیں تا کہ اسے ایک بڑا خطرہ قرار دے کر اہل یورپ کو خائف کیا جائے اور انہیں یہ باور کرایا جائے کہ مغربی تہذیب اور اس کے علمبرداروں کے وجود کو مسلمانوں سے حقیقی خطرہ لاحق ہے۔ انتہا پسند سیاسی، فکری اور مذہبی جماعتیں مسلسل اس قسم کی مہمیں چلا کر پروپیگنڈے میں مصروف ہیں اور ان کی کوششوں کا نتیجہ اسلاموفوبیا کے رجحان میں اضافے اور یورپ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز مہمات میں اضافے سے ظاہر ہوتا ہے۔ یورپ میں کٹر دائیں بازو کی نظریاتی جماعتوں نے مسلمانوں کو دشمن کے طور پر پیش کرنا شروع کیا ہے، جسے آج کل اسلاموفوبیا کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس رجحان نے مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز مہمات کو پھیلانے میں بنیادی کردار ادا کیا اور ان کے خلاف حملوں میں اضافے کی راہ ہموار کی۔ یورپی حکومتیں ان مہمات کا مقابلہ کرنے سے قاصر نظر آتی ہیں، حال ہی میں برطانوی حکومت ایک ایسا قانون جاری کرنے سے پیچھے ہٹ گئی، جو اس نے اسلاموفوبیا کی ایک باضابطہ تعریف قائم کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ یورپ میں اسلامی تنظیموں کے ذمہ داروں میں سے کچھ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ بہت سے اشارے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یورپی حکومتیں اس نسل پرستی اور ایذا رسانی سے لاتعلق ہیں، جس کا مسلمانوں کو سامنا ہے۔

دائیں بازو کی کٹر جماعتیں:

حالیہ برسوں میں یورپی سیاسی منظرنامے میں انتہائی دائیں بازو کی تحریکوں میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال ہالینڈ میں 2023ء کے انتخابات میں ڈچ فریڈم پارٹی کی فتح ہے۔ یہ گیرٹ ویلڈرز جیسے انتہائی جنونی اور متعصب سیاستدان کی جماعت ہے۔ اس سے پہلے اٹلی میں ''برادرز آف دی'' کی سربراہ جارجیا میلونی 2022 میں حکومت تک پہنچنے میں کامیاب رہی۔ ہالینڈ اور اٹلی کے علاوہ، ہنگری، سلوواکیہ، فن لینڈ، لتھوانیا اور سویڈن میں انتہائی دائیں بازو کی جماعتیں حکمران اتحاد کا حصہ بن چکی ہیں اور جرمنی میں الٹرنیٹیو فار جرمنی پارٹی کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ فرانس میں نیشنل پارٹی، جو پچھلے دو انتخابات میں صدارتی انتخابات کی دوڑ میں کافی پیچھے تھی، لیکن حالیہ یورپی انتخابات میں پہلے نمبر پر پہنچ گئی۔ سیاسی محققین کا خیال ہے کہ یورپ میں انتہائی دائیں بازو کا رجحان بڑھ رہا ہے اور اس کے اثرات نے روایتی سیاسی جماعتوں کو بھی متاثر کیا ہے، جن میں سے کچھ نے بدلتے سیاسی رجحان کے سامنے مجبور ہو کر انتہائی دائیں بازو جیسی پالیسیاں اپنانا شروع کی ہیں۔

زبردست متبادل:

جو چیز یورپ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کو ہوا دیتی ہے، وہ کچھ انتہا پسندانہ نظریات اور عقائد کا پھیلاؤ ہے، جیسے کہ ایک نظریہ جسے ''عظیم تبدیلی کا نظریہ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ سفید فام اقوام کے خلاف سازش کے احساس پر مبنی نظریہ ہے۔ جس میں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ دوسری نسلوں کے لوگ سفید فام لوگوں کو آؤٹ کر کے ان کی جگہ لے رہے ہیں۔ اس لئے سفید فاموں کو ہوشیار رہنا چاہئے۔ یونیورسٹی آف میامی میں نسلی علوم کے پروفیسر روڈنی کوٹس کہتے ہیں کہ اس نظریہ کی ابتدا 19ویں صدی کے اواخر سے ہوئی۔ 1892ء میں برطانوی مصنف اور سیاست دان چارلس پیئرسن نے خبردار کیا کہ ''گورے ایک دن جاگ جائیں گے تو وہ دیکھیں گے کہ ان کا محاصرہ ہو چکا ہے، ان کا پیچھا کیا جا رہا ہے، بلکہ انہیں دربدر کیا جا رہا ہے۔'' یورپ میں تارکین وطن کی بڑے پیمانے پر آمد کے ساتھ، اس نظریہ کے حامل افراد میں ''سفیدوں'' کے معدوم ہونے کے خدشات کو تقویت ملی اور پیدائش پر قابو پانے یا دوسری نسلوں کے غیر سفید فاموں کی جبری نس بندی کا نشانہ بنانے کی مہم شروع کرنے کا مطالبہ ہونے لگا۔ اس قسم کے خیالات کچھ مغربی دانشوروں کے ذہنوں میں بھی بستے رہے۔ فرانسیسی مصنف ریناؤڈ کاموس نے 2011ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب ''The Great Replacement'' میں اسی نظریئے کو اپنایا، جس میں اس نے لکھا کہ فرانسیسی نسل اور سفید فام یورپی باشندے جسمانی، ثقافتی اور سیاسی طور پر دوسرے گروہوں سے مغلوب ہو رہے ہیں اور یہ کہ لبرل امیگریشن پالیسیوں اور سفید فام شرح پیدائش میں نمایاں کمی سے یورپی تہذیب اور روایات کو خطرہ لاحق ہے۔ تبدیلی کے اس نظریئے کی گونج اس وقت ہر جگہ سنائی دینے لگی جب مارچ 2019ء میں نیوزی لینڈ میں آسٹریلوی شہری برینٹن ٹیرنٹ نے مسجد پر حملہ کر کے 51 مسلمانوں کو شہید کیا۔ اپنے اس فعل کے محرکات کے بارے اس نے اعتراف کیا کہ اس نے فرانس کے دورے کے دوران غیر یورپی آبادیوں کی جانب سے مغرب کے حملے کا مشاہدہ کیا، جس نے اسے اس جرم کے ارتکاب کرنے پر اکسایا۔

حرف آخر! ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یورپ اور مغربی ممالک کے پاس دو آپشنز ہیں، جن میں سے کم تلخ آپشن کو اپنانا ہے، یا تو تارکین وطن کی آمد کو آسان بنائیں اور ان کا خوش دلی استقبال کریں، جن میں زیادہ تر مسلمان ہیں، جس کے نتیجے میں یورپ میں مسلمانوں کی تعداد میں ہونے والے اضافہ بدستور جاری رہے اور یا پھر ان کی آمد کو مسدود یا کم از کم محدود کیا جائے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ یورپ میں افرادی قوت کی کمی ہوگی اور اس سے معاشی بحرانوں میں دوگنا اضافہ ہو جائے گا، ورنہ بوڑھے براعظم کی عمر مزید بڑھ جائے گی اور وہ اپنے خاتمے کی طرف مزید تیزی سے گامزن ہوگا۔

عرب نوجوان اور والد کی دعا

ضیاء چترالی

احمد ابو خضیر کی عمر 25 سال ہے اور تعلق سرزمین حجاز سے۔ فرمانبردار ایسا کہ والدین کی آنکھوں کا تارا۔ ایک مرتبہ وہ اپنے بوڑھے باپ کے ساتھ گھر میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔ احمد اٹھا، دروازہ کھولا تو سامنے ایک اجنبی شخص نظر آیا، اس کے چہرے پر کرختگی اور ناراضگی کے آثار تھے۔ نہ سلام نہ دعا، وہ سیدھا اندر چلا آیا۔ نوجوان کے والد کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس آدمی نے آتے ہی اس بوڑھے سے کہا: ”خدا سے ڈرو اور میرا قرض واپس کرو۔ میں نے بہت صبر کیا ہے، اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔“

احمد نے اپنے والد کے پریشان چہرے کو دیکھا تو اسے بڑا دکھ ہوا۔ اجنبی شخص اب قدرے بدتمیزی پر اتر آیا تھا۔ نوجوان نے تھوڑا سا صبر کیا اور پھر اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، وہ اپنے والد کی توہین برداشت نہ کر سکا۔ اس نے پوچھا: بتاؤ! میرے والد نے تمہارا کتنا قرض ادا کرنا ہے؟ اس نے کہا: تمہارے والد نے میرے نوے ہزار ریال دینے ہیں۔ نوجوان کہنے لگا: آج کے بعد تم میرے والد کو کچھ نہیں کہو گے، بس! اب یہ قرض میرے ذمہ رہا، تم کوئی فکر نہ کرو۔

بیٹا اپنے کمرے میں گیا، وہ کافی عرصے سے اپنی شادی کیلئے پیسے جمع کر رہا تھا، اس کی ہونے والی دلہن اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ان دنوں وہ شادی کی تیاری میں مشغول تھا۔ بڑی مشکل سے اس نے ستائیس ہزار ریال جمع کیے تھے، بس تھوڑی سی رقم مزید باقی تھی اور پھر اس نے اپنی دلہن کو گھر لے آنا تھا۔

میں اپنے والد کی توہین برداشت نہیں کر سکتا، شادی پھر بھی ہو سکتی ہے۔ اس نے سوچا اور ستائیس ہزار ریال لا کر اس شخص کی جھولی میں ڈال دیئے، فی الحال یہ ستائیس ہزار ریال پکڑو، باقی مبلغ کے بارے میں فکر نہ کرو، جلد ہی تمہیں مل جائیں گے۔ اس دوران اس نوجوان کا والد زور زور سے رونے لگا۔ یہ خوشی کے آنسو تھے

کہ میرا بیٹا اتنا فرمانبردار اور متقی ہے۔ اس شخص سے کہنے لگا: یہ ستائیس ہزار میرے بیٹے کو واپس کردو، اس نے بڑی محنت سے اپنی شادی کیلئے یہ رقم جمع کی ہے۔ یہ شدید ضرورت مند ہے، اس کا میرے قرض سے کیا تعلق اور اس کا کیا گناہ ہے؟ قرض تو میں نے تم سے لے رکھا ہے۔ اب نوجوان کی باری تھی، اس نے اس شخص سے کہا: یہ آپ اپنے پاس ہی رکھیں۔ میں باقی کا قرض بھی جلد ہی بندوبست کر کے تمہیں دے دوں گا۔ بس اب تم میرے والد کو تنگ نہیں کرو گے۔ اس آدمی کو بھی بڑی مدت بعد اتنی بڑی رقم ملی تھی، وہ واپس کیسے کر دیتا۔ اس دوران نوجوان اٹھا اور اپنے والد کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہنے لگا: بابا! آپ کی عزت، آبرو، مرتبہ اور مقام اس مبلغ سے کہیں زیادہ ہے۔ آپ فکر نہ کریں، ہر چیز کا وقت مقرر ہے، میں بہت جلد اس کا قرض واپس کر دوں گا۔ شادی کا انتظام بھی خدا کریم فرما ہی دے گا۔

بوڑھے نے کھڑے ہو کر اپنے فرمانبردار، متقی اور نیک بیٹے کو گلے لگایا اور روتے ہوئے کہنے لگا: میرے بیٹے پروردگار تم سے راضی ہو جائے، تمہیں مزید توفیق اور ترقی عطا فرمائے۔ اس نے اپنے ہاتھ آسمانوں کی طرف اٹھا دیئے اور اپنے بیٹے کیلئے بہت دعائیں کیں۔ بیٹا بڑا ہی متقی اور پرہیزگار نوجوان تھا۔ رب تعالیٰ متقی انسان کو بہترین بدلہ عطا فرماتے ہیں۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: "جو شخص تقویٰ کی راہ اختیار کرے، خدا اس کیلئے آسانی پیدا فرماتا ہے اور اسے وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے، جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔"

والد کا قرض ادا کرنے کے ایک یا دو دن بعد کی بات ہے کہ نوجوان اپنی ڈیوٹی پر گیا، وہ اپنے کام میں مشغول تھا کہ اس کا ایک بڑا پرانا دوست ملنے کیلئے آ گیا۔ سلام و دعا کے بعد اس کا دوست کہنے لگا: میں کل شہر کے بڑے بزنس مین کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس ایک بہت بڑا پروجیکٹ ہے۔ اس بڑے منصوبے کیلئے اسے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے، جو متقی، پرہیزگار، اعلیٰ اخلاق والا، خدا کا خوف رکھنے والا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اس کام کو بھی خوب سمجھتا ہو۔ اس نے مجھ سے کہا: مجھے اس منصوبے کے لیے مذکورہ صفات کا حامل شخص درکار ہے۔ میرے ذہن میں فوراً تمہارا خیال آ گیا۔ میں نے بتایا تو اس نے کہا: جلدی سے میری اس سے ملاقات کرواؤ، اسی لیے میں تمہیں لینے آیا ہوں۔

نوجوان کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا، کہنے لگا: کل میرے والد نے میرے لیے ڈھیروں دعائیں کی تھیں۔ لگتا ہے رب تعالیٰ نے میرے والد کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا ہے۔

رسول اقدسؐ نے فرمایا: "باپ کی دعا اپنی اولاد کے حق میں بہت زیادہ قبول ہوتی ہے۔"

دونوں دوست اس بزنس مین کے دفتر میں جا پہنچے۔ بزنس مین نے اس نوجوان کا انٹرویو لیا۔ مختلف سوالات کیے۔ اس نے دیکھا کہ یہ نوجوان اس منصب کے لیے مناسب ترین ہے۔ اس کی تعلیم اور تجربہ بھی ٹھیک ہے۔ اس نے پوچھا: "تمہاری اس وقت تنخواہ کتنی ہے؟" نوجوان نے بغیر چھپائے سچ سچ بتا دیا: میری حالیہ تنخواہ 4970 ریال ہے۔

اب اس تاجر کے بولنے کی باری تھی، کہنے لگا: تم کل ہی سے نوکری جوائن کر سکتے ہو۔ تم حالیہ نوکری سے استعفیٰ دیدو۔ رہی تمہاری تنخواہ تو وہ پندرہ ہزار ریال مقرر کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ تمہیں سیل پر کمیشن بھی ملے گا جو کارگردگی کی بناء پر 10 فیصد تک جا سکتا ہے۔ 3 ماہ کی تنخواہ، مکان کے کرایہ کے لیے، نئے ماڈل کی گاڑی اور 6 ماہ کی ایڈوانس تنخواہ کہ تم اپنے گھریلو حالات درست کر سکو۔ بولو! کیا تمہیں منظور ہے؟ اس نوجوان نے یہ ساری آفرز سنیں تو بے اختیار رونے لگا۔ بار بار کہنے لگا: "ابا جان خیر و بھلائی کی آمد سے خوش ہو جایئے۔" بزنس مین اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے سوال کیا: نوجوان! تمہارے رونے کی وجہ کیا ہے؟ تو اس نے دو دن پہلے ہونے والا سارا واقعہ بیان کر دیا۔ وہ تاجر اس نوجوان کے تقویٰ، اس کی اپنے والد کے ساتھ محبت، دیانت داری، ایثار اور قربانی و فرمانبرداری سے اتنا متاثر ہوا کہ کہنے لگا: تم نے 27 ہزار ریال اپنے والد کا قرض اتارنے کے لیے ادا کیے ہیں، اب باقی قرض میں ادا کروں گا۔ (القصص الذهبية)

99 کا قاعدہ

مولانا عبدالبصیر

ایک بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا کہ ایک بات سمجھ نہیں آتی کہ میرے پاس دنیا جہان کی ہر راحت کا سامان ہے لیکن پھر بھی دل خوش نہیں۔ لیکن میرے خادم کے پاس کچھ نہیں، نہ مال و دولت، نہ محلات و آسائشات۔ مگر ہر وقت خوش و خرم رہتا ہے۔

وزیر نے کہا کہ اس پر 99 کا قاعدہ جاری فرمائیں۔

کیا مطلب 99 کے قاعدے کا؟

وزیر نے کہا کہ رات 99 دینار ایک تھیلی میں ڈال کر اس کے دروازے پہ لٹکا دیں، لیکن اوپر لکھ دیں کہ یہ 100 دینار میری طرف سے تمہیں ہدیہ ہے۔ دروازے پہ آواز لگا کر واپس آجائیں۔ پھر دیکھیے کہ کیا ہوتا ہے۔

چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کر لیا۔ خادم باہر نکلا۔ خوشی سے تھیلی اٹھائی اور جلدی جلدی گننے لگا۔ پتہ چلا ایک دینار کم ہے۔ دوبارہ گنتی کی۔ مگر پھر بھی 99۔ اب دروازے کے آس پاس ڈھونڈنے لگ گیا کہ شاید کہیں گر گیا ہو۔ مگر کچھ نہ ملا۔ تھوڑی دیر بعد بیوی بچے بھی آ گئے اور تلاش میں لگ گئے۔ یوں پوری رات ایک دینار کی تلاش میں گزار دی۔

صبح وہ کام پہ آیا، لیکن چہرہ بجھا ہوا۔ پریشان، نیند نہ ہونے کی وجہ سے طبیعت مضمحل اور بوجھل۔ روایتی فرحت و انبساط غائب۔

یہ دیکھ کر بادشاہ کو 99 کے قاعدے کا راز سمجھ آ گیا۔

وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ 99 نعمتوں کو بھول جاتے ہیں اور مفقود نعمت کے حصول میں جت جاتے ہیں۔ وہی ہر وقت ہماری سوچ و فکر کا محور اور اسی کیلئے تگ و دو اور محنت۔ اس لیے بے شمار نعمتوں کے ہوتے بھی پریشان رہتے ہیں۔ ہر حال میں اللہ کریم کا شکر ادا نہیں کرتے، جو خوش رہنے کی شاہ کلید ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی میں بے شمار نعمتوں کے مالک ہیں اور اکثر نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سوں کے تو ہم لائق ہی نہیں ہیں، لیکن انسان میں بہت بڑی کمزوری پائی جاتی ہے جسے ''ناشکری'' کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے انسان بہت سی حاصل شدہ نعمتوں کی طرف بھی توجہ نہیں کرتا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ان حاصل شدہ نعمتوں میں بہت سی ایسی ہیں جن کے لیے انسان اپنی زندگی کے ایک دور تک ہمیشہ آرزومند رہتا ہے، گڑگڑا کر دعائیں کرتا ہے، خیالات، سوچ، فکر، امنگ، چاہت اور احساس سب اس نعمت کے حصول کے گرد گھومتے تھے۔ جان بوجھ کر ایسا سوچتا تھا کہ اس نعمت کے حاصل ہونے کے بعد کا منظر کیسا ہوگا، وہ کیسا وقت ہوگا اور لوگ نجانے کیا کچھ کہیں گے، بس زندگی کا نقشہ ہی بدل جائے گا، پھر بس کچھ چاہنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہے گی۔ کاش یہ

ہوجائے، کاش یہ مل جائے، کاش یہ اب مل ہی جائے۔ لیکن پھر وہ وقت زندگی میں آہی جاتا ہے اور دیر سویر وہ نعمت مل ہی جاتی ہے اور اس ناشکرے کمزور انسان کی خواہش، تمنا، آرزو پوری ہوجاتی ہے۔ قدرت بھی یہ منظر دیکھنے کو آجاتی ہے کہ دیکھیں اب اس کا ردعمل کیا آتا ہے، اب یقیناً یہ چین وسکون اور اطمینان سے رہ رہا ہوگا، اب تو یہ شکر کے گیت گاتا ہوگا لیکن انسان قرآنی گواہی کو سچا ثابت کرتے ہوئے اس موقع پر پھر سے افسردہ، حیران و پریشان خیالوں میں غرق ہوتا نظر آتا ہے اور اسے جھنجھوڑ کر جب پوچھا جاتا ہے تو وہ کسی اور نعمت کے حاصل کرنے کی تمنا میں مگن ہو کر اپنی اصلیت دکھا دیتا ہے۔

سورۃ عادیات میں رب تعالیٰ کا فرمان ہے:

''ان الانسان لربہ لکنود''

ترجمہ: ''بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے''۔

اس آیت کی تفسیر میں لفظ ''کنوذ'' سے مراد یہی انسان ہے جو حاصل نعمتوں کو بھول جاتا ہے اور لا حاصل نعمتوں کی یاد میں زندگی گزارتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ کسی ناقدرے کو کتنا ہی قیمتی تحفہ کیوں نہ دیا جائے، وہ اس کی نظر میں بے قیمت ہی رہتا ہے۔ بالکل یہی رویہ انسان کا ہے۔ یہ رب کی بہت سی نعمتوں کے لائق ہی نہیں ہے، لیکن رب العالمین اپنے فضل کی بارش کرتا رہتا ہے۔ اگر یہ انسان قدردان ہوتا تو فضلِ الٰہی کے ایک ایک لمحے کے بدل اپنا سب کچھ وار دیتا۔ یہ اس کی ناشکری طبیعت ہی ہے جو اسے فضل عظیم کرنے والی ذات کی قدر سے روکے ہوئے ہے۔

حاصل کی ناقدری اور لاحاصل کی تمنا انسان کو بہت بڑے دھوکے میں ڈال دیتی ہے۔ وہ غور وفکر کرنا گوارا نہیں کرتا کہ اس کے پاس اس وقت کیا کچھ نعمتیں موجود ہیں، وہ اپنی پرستش میں ایسا گم ہے کہ اسے کوئی اور نظر نہیں آتا۔

ذرا شکر کی آنکھ کھلے تو یہ دیکھے کتنے لوگ بے اولاد ہیں لیکن یہ صاحب اولاد ہے۔ کتنے بے روزگار ہیں لیکن یہ برسرروزگار ہے۔ کتنے بے گھر ہیں لیکن یہ ایک چھت تلے زندگی گزار رہا ہے۔ کتنے معذور ہیں اور یہ دنیا کے پیچھے دوڑ دوڑ کر تھکتا نہیں۔ کتنے ایسے ہیں جو آنکھ، بال، دل، گردہ، گلا، مثانہ، معدہ، کینسر اور کئی خطرناک اور لاعلاج بیماریوں میں مبتلا ہیں لیکن یہ صحت کی دولت لیے گھوم پھر رہا ہے۔ کتنے ایسے ہیں کہ مر چکے لیکن یہ اب تک قیمتی سانسوں کا مالک ہے اور اب بھی شکر کر کے اپنے لیے کیا سے کیا نہیں کر سکتا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی صحبت، اپنی سوچ اور اپنے رویے کا از سر نو جائزہ لیں اور ذرا سوچیں کہ کیا کچھ ہے میرے پاس جو بہت سوں کے پاس نہیں ہے۔ اگر انسان اس تجربے سے کامیاب گزرا تو زندگی کا مزہ ہی دوبالا ہوجائے اور بہت سے لایعنی مسائل اس تحریر کے مکمل پڑھنے سے پہلے ہی دم توڑ دیں گے۔

الحمد للہ علی کل حال

استغفر اللہ واتوب الیہ

و الحمدللہ

و اللہ اکبر

ایفائے عہد

مورخین نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن مبارکؒ بیان کرتے ہیں کہ میرا ایک جہاد میں ایک مجوسی سے مقابلہ ہو رہا تھا کہ نماز کا وقت آپہنچا، میں نے مجوسی سے عہد کیا کہ جب تک میں نماز سے فارغ نہیں ہوجاتا تو مجھ پر حملہ نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس نے وعدے پر عمل کیا، یہاں تک کہ میں نے نماز مکمل کی، جب سورج غروب ہونے لگا تو اس نے کہا اب تو بھی مجھے میری عبادت کا موقع دے، یہاں تک کہ میں سورج کو سجدہ کرلوں، آپؒ نے عہد کرلیا، مگر جب وہ سورج کو سجدہ کرنے لگا تو آپ نے اسے شرک کرتے برداشت نہ کیا اور اس پر حملہ آور ہونے لگے، ضمیر نے آواز دی ''اپنے عہد کو پورا کرو'' آپؒ یہ آواز سنتے ہی واپس پلٹے، مجوسی نے فراغت کے بعد آپ سے پوچھا! ابن مبارک آپ تو مجھ پر حملہ کرنے والے تھے، پھر کس چیز نے آپ کو واپس پلٹنے پر مجبور کیا؟ آپ نے فرمایا: جب تو آفتاب کے سامنے سجدہ ریز ہوا تو میری غیرت نے گوارہ نہ کیا، میں نے تجھے قتل کرنا چاہا، مگر ضمیر نے پکارا ''جب تم عہد کرو تو پورا کرو'' (یہ قرآن کریم کی آیت کا مفہوم ہے) مجوسی یہ سن کر بولا کہ آپ کا رب کتنا اچھا ہے کہ اپنے دوست پر اپنے دشمن کے لئے تنبیہ فرماتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا اور دائرۂ اسلام میں داخل ہوگیا۔

لیبیا

نصف باشندے حافظ قرآن

مولانا فرید الرحمٰن

شمالی افریقہ کے عرب اسلامی ملک لیبیا کو ہم تیل کے بے پناہ ذخائر اور مرحوم سربراہ معمر القذافی کی دھواں دار تقریروں کے ذریعے جانتے تھے۔ جبکہ اب اس ملک کی پہچان بم دھماکے، قتل وغارت اور جنگ وفساد ہے۔

چند روز قبل لیبیا کے کچھ صحافی اس بات پر افسوس ظاہر کر رہے تھے کہ متحدہ عرب امارات میں منعقد ہونے والے بین الاقوامی مقابلہ حفظ میں لیبیا کو شرکت کی اجازت نہیں دی گئی۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ لیبیا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس ملک کا ہر چھٹا شہری قرآن کریم کا حافظ ہے۔ لیبیا کی 6 ملین آبادی میں ایک ملین افراد حافظ قرآن ہیں۔

لیبیا 2009ء تک 86 ممالک کے مابین دبئی میں منعقد ہونے والے بین الاقوامی مسابقہ حفظ قرآن میں 7 مرتبہ پہلی پوزیشن لے چکا ہے۔

لیبیا کی وزارت مذہبی امور کے مطابق قذافی دور کے آخری سال تک 3 ہزار 471 حفظ قرآن کے مراکز تھے۔ 400 مساجد میں حفظ قرآن کے بڑے حلقے لگتے تھے۔ قذافی کے خلاف القاعدہ اور نام نہاد اسلام پسندوں کی حمایت سے اٹھنے والی بغاوت سے دو سال قبل لیبیا میں 3 لاکھ 35 ہزار طالب علم قرآن کریم حفظ کر رہے تھے۔

معمر القذافی مرحوم نے لیبیا میں حفظ قرآن کی ڈگری کو یونیورسٹی ڈگری کے مساوی قرار دیا تھا اور ملک کے تمام سرکاری اداروں میں حفظ قرآن کی سند کو اولین ترجیح دی جاتی تھی۔

خوبصورت ساحلوں کے اس ملک میں آج بدامنی اور انارکی کا دور دورہ ہے۔ لیبیا کے قبائل کی خواہش ہے کہ معمر القذافی کا بڑا بیٹا اور لیبیا غد نامی ترقیاتی منصوبے کا خالق سیف الاسلام القذافی دوبارہ برسر اقتدار آجائے، مگر لیبیا کی مثال اب اس جوان خوبصورت بیوہ خاتون کی ہے، جس سے قربت کی خواہش میں جرگے کا ہر فرد معاملہ سلجھانے کے بجائے اپنا الو سیدھا کرنے پر زور دے رہا ہوتا ہے۔

عرب امور کے ماہرین کا کہنا ہے کہ جتنے عرب یا اسلامی ممالک ہیں، ان میں موجودہ نظام کو رہنے دیا جائے، ان کمزوریوں کے ساتھ انہیں قبول کرنے میں بچت ہے وگرنہ بگاڑ سے پوری اسلامی دنیا میں مسلمانوں کے لئے سر چھپانے اور رزق کمانے کی جگہ نہیں رہے گی۔ یورپی ممالک مسلمان ممالک کی عورتوں کو انسانی بنیادوں کی آڑ میں پناہ دیں گے، جبکہ غریب، بے تعلیم اور کم جسمانی صلاحیتوں کے حامل افراد کڑھتے رہیں گے۔ مایوسی پھیلے گی اور انتہا پسند عسکری تنظیموں کو ایندھن ملیں گے، جن کا ماٹو دنیا میں بڑے پیمانے پر انارکی پھیلانا ہے۔

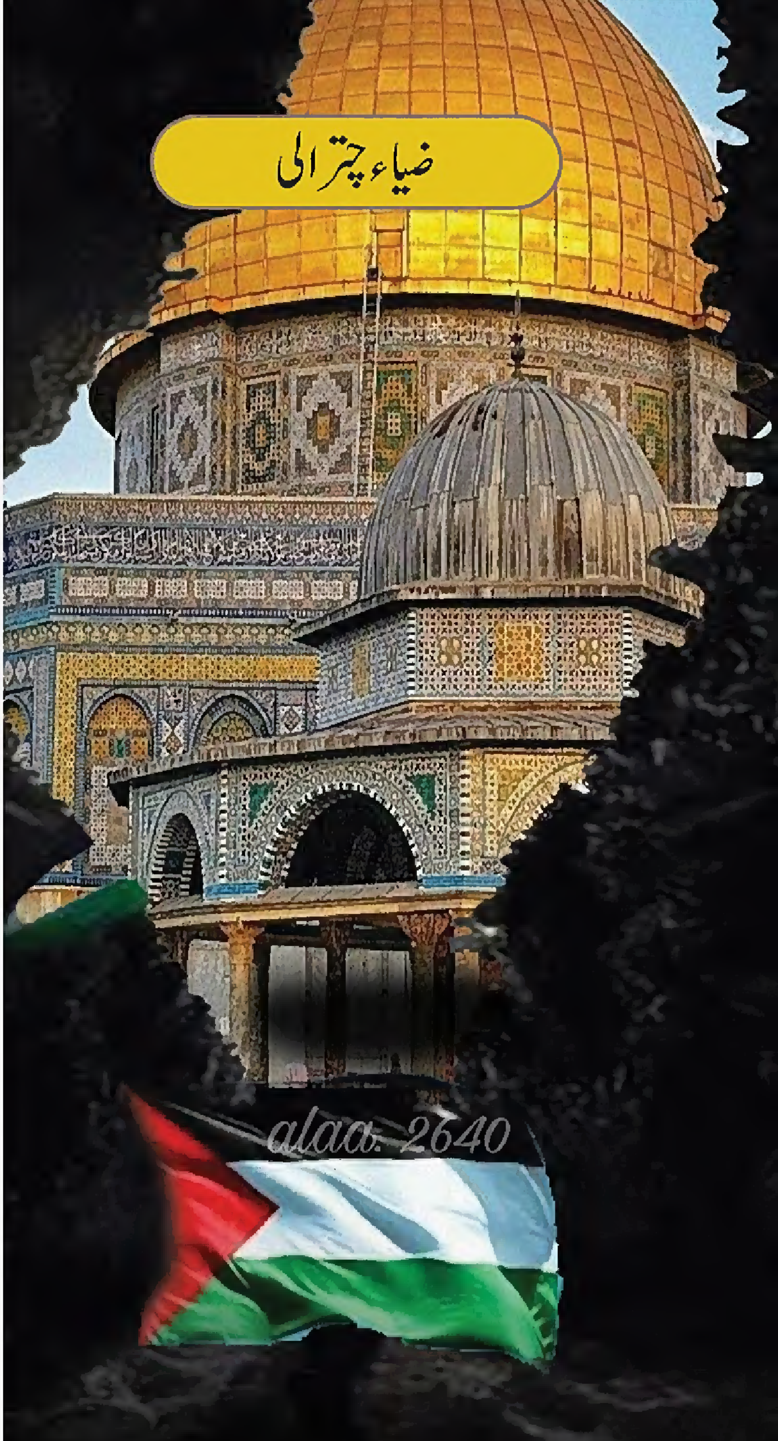

ضیاء چترالی

حج بیت اللہ اور اہل غزہ

مظلومان القدس کی ایک دردناک داستان

جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی تھیں، دنیا کے کونے کونے سے بیت اللہ کے پروانے اور دیار حبیبؐ کے دیوانے حجاز مقدس پہنچ رہے تھے۔ جن میں کالے گورے، مشرقی مغربی، عربی عجمی غرض ہر رنگ و نسل کے زائرین حرم موجود ہیں، اگر اس بار کسی خطے کی حاضری نہیں ہے تو وہ اہل غزہ ہیں۔ اگرچہ سعودی عرب نے شہدائے غزہ کے لواحقین کو شاہی مہمان کے طور پر حج کے لیے بلایا ہے، مگر شاہی مہمانوں کیلئے عام حجاج سے الگ تھلگ انتظامات ہوتے ہیں، اس لئے عمومی حجاج میں اہل غزہ اس بار غائب رہے۔ اس بار زائرین حرم کی تعداد ڈھائی ملین سے زاید تھی۔ واضح رہے کہ گزشتہ 14 سو برس کی اسلامی تاریخ میں سال 1433ھ (2012ء) حجاج کی زیادہ تعداد کے حوالے سے ریکارڈ ساز رہا ہے۔ اس سال 32 لاکھ سے زائد رجسٹرڈ عازمین نے حج ادا کیا تھا۔ سعودی ریاست کے بانی ملک عبدالعزیز کے دور میں (1372ھ) میں حجاج کی تعداد صرف ڈھائی لاکھ تک محدود ہوتی تھی۔ پھر 55 برس قبل یعنی 1390ھ میں تاریخ میں پہلی بار یہ تعداد ایک ملین تک پہنچ چکی۔ پھر اس میں نہایت تیز رفتاری سے اضافہ ہوتا رہا اور اگلے صرف 9 سال بعد یعنی 1399ھ میں حجاج کرام کی تعداد دو ملین ہوگئی۔ ہر سال حج میں اہل غزہ کی بھرپور حاضری ہوتی رہی ہے۔ مگر اس سال غزہ سے اپنے طور پر کوئی ایک فرد بھی حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے حجاز مقدس کا سفر نہ کر سکا۔ فلسطینی میڈیا کے مطابق حج کا موسم آتے ہی غزہ کی پٹی میں فلسطینی مسلمانوں کے دکھ اور بھی بڑھ گئے کیونکہ غزہ کے مسلمان اسرائیلی ریاست کی طرف سے مسلط کی گئی ننگی جارحیت کی وجہ سے فریضہ حج کی ادائی سے محروم ہیں۔ ان کی زبانوں پر ”لبیک انا مظلومون، لبیک انا مقہورون اور لبیک انا متعبون“ جیسے الفاظ ہیں۔ غزہ کے مسلمان اس سال حج اس لیے نہیں کر سکتے کہ ان پر اسرائیلی دشمن کی طرف سے نسل کشی کی جنگ مسلط ہے اور غزہ کی تمام راہ داریوں پر دشمن کا قبضہ ہے۔ اہل غزہ چاروں طرف سے محصور آگ کی اس بھٹی سے باہر نہیں نکل سکتے۔ 9 مہینے قبل اسرائیل نے ایک تباہ کن جنگ اور نسل کشی کی مہم شروع کی، جسے پوری دنیا نے براہ راست دیکھا، جس کے نتیجے میں سوا لاکھ سے زیادہ فلسطینی شہید، زخمی اور لاپتا ہو چکے ہیں۔ غزہ کی پٹی کا پورا علاقہ ملبے کے کھنڈرات میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

زندگی بھر کا سفر:

باسٹھ سالہ ام طارق ابو العطاء اور ان کے شوہر اس سال حج کرنے والے تھے، لیکن نسل کشی کی جنگ ان کے اور خدا کے گھر کے درمیان رکاوٹ بن گئی۔ حاجہ ام طارق نے آنسو بہاتے ہوئے کہا کہ ”میں نے ہمیشہ خدا کے گھر کی زیارت کا خواب

دیکھا ہے۔ میں اس لمحے تک دن گن رہی تھی، لیکن مجرم دشمن کی طرف سے شروع کی گئی جنگ ایک رکاوٹ بن گئی اور اس نے ہمیں عمر بھر کے سفر سے محروم کر دیا۔ مرکز اطلاعات فلسطین سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ قابض دشمن نے انہیں نہ صرف خدا کے مقدس گھر جانے سے منع کیا بلکہ اسے اپنے بڑے بیٹے طارق کے خاندان سے ملنے سے بھی محروم کر دیا جو یکم مارچ کو اپنی بیوی اور بچوں سمیت اسرائیلی بمباری کے نتیجے میں جام شہادت نوش کر گیا۔

مایوسی کی تلخی:

''محمود السبوع'' کے لکھے ہوئے درد بھرے الفاظ ان کے اندر ایک گہرے زخم کی عکاسی کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ''خدا کے گھر کے حجاج کے قافلے تو نہیں چلتے، البتہ ہم آئے روز اپنے بھائی، بہنوں، بزرگوں اور بچوں کی سفید کفنوں میں لاشوں کے قافلے دفن کرتے ہیں۔ ہم سفید احرام تو نہیں پہن سکتے، مگر ہمارے لوگ روزانہ کی بنیاد پر سفید کفنوں میں دفنائے جاتے ہیں۔ ہم ان کو حج مبارک نہیں کہہ سکتے، مگر انہیں شہادت کی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ مسلمان تلبیہ پڑھتے ہوئے خانہ خدا کا حج کریں گے اور شہدائے غزہ کی روحیں مایوسی کی تلخی کی شکایت کرتے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کریں گی''۔

اس بار پہلی دفعہ دنیا بھر سے آئے ضیوف الرحمان غزہ کی پٹی کے اپنے مظلوم بھائی بہنوں کے بغیر میدان عرفات میں کھڑے ہوں گے۔ محمود الغزاوی نے اپنے درد کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''فلسطینی پہلی بار غزہ کے حاجیوں کے بغیر مکہ آ رہے ہیں''۔ غزہ کے لوگوں کو حج سے محروم کرنے سے عمر ابو العبد کو بھی سخت تکلیف پہنچی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ غزہ کے باشندوں نے گزشتہ سال حج کے لیے سفر کیا تھا اور اس سال جارحیت کی وجہ سے اس سے محروم ہو گئے ہیں۔ لیکن عمر نے ایک پوسٹ میں اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ ''یہ سچ ہے کہ ہمارے دل ٹوٹ چکے ہیں۔ ہماری روحیں پیاسی ہیں۔ انہیں کعبہ کو دیکھنے اور اس کے سامنے ایک طویل سجدہ کرنے کے علاوہ کوئی چیز مجبور نہیں کرتی۔ لیکن ہماری تسلی یہ ہے کہ ہم جس صبر اور مصیبت میں ہیں۔ یہ سب سے زیادہ ثواب والی عبادتوں میں سے ایک ہے''۔ انہیں امید ہے کہ خدا غزہ والوں کو حج اور عمرہ کرنے کا اجر عطا فرمائے گا۔ غزہ کے مظلوموں کو امید ہے کہ فلسطینی کاز اور نصب العین دنیا کے کونے کونے سے جمع ہونے والے زائرین کے ذہنوں میں موجود ہوگا۔ ایک شاندار منظر میں جو قوم کے اتحاد کی نمائندگی کرتا ہے، لیکن غزہ کے لوگوں کو فریضہ حج سے زبردستی غائب کیا گیا۔ وہ اپنی سرزمین پر ثابت قدمی اور استقامت کی قیمت ادا کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ حجاج انہیں دعاؤں میں نہیں بھولیں گے۔

قربانی کی یادیں:

اس سال کی محرومی صرف غزہ کی پٹی کے لوگوں کے لیے حج کی ادائی تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اسرائیلی قابض افواج نے قربانی کے جانوروں کو محصور پٹی میں داخل کرنے سے روک دیا ہے۔ اس طرح اہل غزہ عید الاضحیٰ پر قربانی کی سنت ادا کرنے سے بھی محروم ہیں۔ ام انس نے فیس بک کے ذریعے حجاج کرام کو پیغام بھیجا کہ ''کعبہ میں حاضری کا شرف حاصل کرنے والے ہماری طرف سے اسے سلام پیش کریں۔ پھر ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیؐ کے روضہ اطہر پر جائیں تو بہترین دعائیں اور سلام پیش کریں، رسول ہاشمیؐ کو بتائیں کہ ہاشم کا غزہ فنا ہو گیا، سوڈان فنا ہو چکا، حکمران ظالم ہیں، غزہ کے عوام ثابت قدم ہیں، فلسطین کے لوگ اپنے عہد کے پابند ہیں اور ان کا خون مسجد اقصیٰ کی حمایت میں بہہ رہا ہے''۔ وہ مزید لکھتی ہیں کہ ''حجاج کرام! جب آپ نبی کریمؐ کے روضے پر جائیں تو غزہ میں ہماری بہنوں کے رونے اور ہمارے بچوں کی بھوک اور شہادت کی خبر دینا''۔ ایک اپیل میں ''محمد عبداللہ'' حجاج کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''غزہ کے عازمین اس سال حج کے موسم سے محروم ہیں۔ اے دنیا کے عازمین! فلسطینیوں کی فتح اور نصرت کے لیے ضرور دعائیں کرنا۔ ان کی ثابت قدمی کے لیے رب سے دعا کرنا اور ان کی مشکلات کم کرنے کے لیے مالک الملک سے ضرور دعا کرنا''۔ اسی طرح نعیم ابو زید نے حجاج کرام سے کہا کہ ''اہل غزہ کا سلام کعبہ تک پہنچائیں، کیونکہ خدا کی قسم! وہ صرف اس لیے نہیں آ سکے کہ انہیں ذبح کیا جا رہا ہے''۔ اہل غزہ کو دنیا بھر کے مسلمانوں کے علاوہ اسلام کے پانچویں رکن کو ادا کرنے اور عرفات کی پاکیزہ زمین پر کھڑے ہونے سے محروم رکھا گیا۔ ان کا دن رات خون بہایا جاتا ہے اور قتل عام کیا جاتا ہے۔

ملحدین اور بنجی جمپ

ڈاکٹر عدنان نیازی

ملحدین کی جانب سے آئے روز کوئی نہ کوئی نیا شوشہ چھوڑا جاتا ہے۔ تمام مذاہب بالعموم اور اسلام بالخصوص ان کا ہدف ہے۔ وہ اپنے زعم میں دین فطرت میں خامیاں نکالنے اور اسے خلاف عقل باور کرانے کی کوششوں میں جتے رہتے ہیں۔ حالانکہ اگر عقل سلیم سے سوچا جائے تو ان کے پیش کردہ دلائل مکڑی کے جالے سے زیادہ کمزور ہوتے ہیں۔ اس بار عید الاضحیٰ کے موقع پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ذات مبارکہ کو نشانہ بنالیا گیا کہ انہوں نے کیوں اپنی بیوی اور چھوٹے بچے کو بے آب و گیاہ وادی مکہ میں چھوڑ آئے؟ کیا یہ بھی کوئی ذی ہوش شخص کرسکتا ہے؟ باس کے حکم پر بیوی بچوں کو چھوڑ کر ہفتوں اسائمنٹس نمٹانے والے اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ کے حکم پر بیوی کو کیوں چھوڑا؟!

بنجی Bungee جمپ کیا ہے؟ آپ نے کبھی دیکھا تو ضرور ہوگا، ہر دوسرے بندے نے ویڈیو شیئر کی ہوتی ہے۔ اس میں آپ کے دونوں پاؤں سے ایک مضبوط رسا باندھ کر کسی اونچے ٹاور یا پہاڑی سے نیچے گرا دیا جاتا ہے۔ سینکڑوں فٹ گہرائی میں آپ گرتے ہیں اور بالآخر رسا واپس کھینچ لیا جاتا ہے اور آپ محفوظ طریقے سے واپس آجاتے ہیں۔

آپ کو علم ہوتا ہے کہ رسا ٹوٹ سکتا ہے۔ کوئی ایک گانٹھ، یا نٹ بولٹ ڈھیلا رہ سکتا ہے۔ رسا جس مقام پر جڑا ہوا ہے، وہاں سے نکل سکتا ہے۔ مناسب لچک نہ ہوئی تو آپ کے ٹخنے یا گھٹنے ٹوٹ جائیں گے۔ لیکن آپ کو بھروسا ہوتا ہے اس کمپنی پر جو اس سسٹم کو چلا رہی ہے۔ آپ کو بھروسا ہوتا ہے ان کے عملے پر جو ٹرینڈ ہوتے ہیں اور غلطی کا امکان صفر رکھتے ہیں۔ اور اسی بھروسے پر آپ اپنی جان پر کھیل جاتے ہیں۔ کیوں؟ صرف تفریح کی خاطر!!

اس تفریح کے لیے نہ صرف خود بلکہ اپنی بیوی بچوں کو بھی دھکا دے دیتے ہیں، ان کے ڈر اور خوف کو ”نکالنے“ کے لیے۔ اکثر لوگوں کو تو بنجی جمپنگ پسند بھی نہیں ہوتی۔ مگر دوستوں کا پریشر یا پھر سوشل میڈیا پر شو آف کرنے کے لیے یا پھر اس لیے کہ میڈیا انفلوئنس نے آپ کو قائل کرلیا ہے کہ ”زندگی نہ ملے گی دوبارہ۔ اس لیے کرو یہ بیکار کی حرکت“ چاہے آپ کو اندر سے اس سے سخت نفرت بھی ہو۔

ایک معمولی تفریح کی خاطر آپ ایک ایسی کمپنی کے عملے پر بھروسا کر کے اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی جان خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔ اور اعتراض کرتے ہیں کہ اس دنیا کی ہر چیز کے مالک کے حکم پر کوئی اپنے بیوی بچے کو صحرا میں کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ اس مالک کے حکم پر کہ جس کی مرضی نہ ہو تو آپ کا نو ماہ کا بچہ شکم مادر سے باہر ایک سانس نہ لے سکے۔ وہ مالک جس کے دیئے ہوئے جسم پر آپ کا مکمل اختیار ہو کر بھی آپ ایک سیل اپنی مرضی سے بنا نہیں سکتے۔

اس مالک کے حکم پر، جس کے قبضے میں اربوں کھربوں نوری سال پر پھیلی یہ کائنات اور اس جیسی کھربوں دیگر کائناتوں میں بھی کوئی اس کے حکم سے باہر نہیں ہے۔ اگر آپ غور کریں تو الہامی دنیا سے لے کر آپ کی دنیا تک میں اگر کوئی ماں اور بچہ مکمل محفوظ تھے تو وہ بی بی ہاجرہ اور ان کے بیٹے سیدنا اسماعیل علیہما السلام ہی تھے اور ان کا اچھے سے خیال رکھا گیا۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ رب کے حکم پر عمل کرنے سے کوئی ضائع نہیں ہوتا۔ جبکہ تفریح کے لیے جانوں کا ضیاع کوئی نئی بات نہیں ہے!

☆......☆......☆

سدے تیمان کی سرگزشت

مولانا منیر خان

یہ ایک فلسطینی وکیل اور ماہر قانون کی بیان کردہ دل دہلانے والی سچی داستان ہے، جسے انسانیت سوز مظالم کیلئے حال ہی میں مشہور ہونے والے اسرائیلی عقوبت کدے کے دورے کا موقع ملا ہے۔ ''سدے تیمان'' نامی اس عقوبت گاہ میں نازی کیمپوں اور گوانتاموبے جیل کی تمام ''خصوصیات'' یکجا کی گئی ہیں اور وہاں سے کوئی خوش قسمت ہی زندہ بچ نکل سکتا ہے۔ وکیل خالد المجیبنہ کا کہنا ہے: ''زندگی میں کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ قانون کی تعلیم اور پریکٹس کے دوران مجھے 21 ویں صدی کے کچھ حراستی کیمپوں کے ایسے تصور سے گزرنا ہوگا جن کی مثال 1930ء اور 1945ء کے درمیان جرمنی کے قائم کردہ حراستی کیمپوں اور نازی کیمپوں سے جا ملے گی۔ میں نے تو قانون کی تعلیم پائی تھی۔ قانون کی پریکٹس کا سوچا تھا۔ مگر غزہ سے 34 کلومیٹر کے فاصلے پر اور جنوبی غزہ کے شہر خان یونس کی تقریباً سیدھ میں اسرائیل کے فوجی اڈے واقع ''سدے تیمان'' نے ایک خوفناک تجربے سے دوچار کر دیا۔ اگرچہ ساڑھے آٹھ ماہ کی غزہ جنگ کے مشاہدے اور تجربے سے بہت کچھ نیا گزرا تھا، مگر یہ بالکل ہی اور جگہ ہے۔ ویسے تو غزہ خود بھی انسانوں کے لیے اسرائیل کی طرف سے ایک کھلی جیل بنا دی گئی بستی ہے کہ اس کو اس طرح ناکہ بندیوں، پہروں اور فوجیوں کی جوتیوں سے گھیرا گیا ہے۔ اس کے گرد ایک دیوار بنا دی گئی ہے۔ لگتا ہے کہ تصور ہی ہے کہ جس طرح اسرائیل اپنی روایتی دیوار گریہ پر روتے ہیں۔ یہودیوں کے علاوہ انسانوں کو بھی دیوار اور گریہ کے درمیان چن کر رکھ دیا جائے۔ اس لیے دیواروں، حراست، تشدد اور جبر کے سارے سلسلے ہولوکاسٹ کے تصوراتی دائروں سے جا کر ملا دیئے ہیں۔ نہیں معلوم یہ شعوری کامیابی ہے یا لاشعور میں آباد خوف، دہشت اور انتقام کے چنگل کا چہرہ ہے۔ سدے تمان کہنے کو تو ایک اسرائیلی فوجی کیمپ ہے۔ مگر درحقیقت اب اس کی شکل اسرائیلی فوجیوں کے لیے غیر انسانی ماحول میں رہتے ہوئے ظلم اور جبر و تشدد کے میدان میں ہنرمندی اور مہارت کی صلاحیت کو درجہ کمال تک پہنچانا ہے تاکہ نازی جو یہودیوں کو کمتر سمجھتے تھے اسرائیلیوں کو ان نازیوں سے برتر اور اونچے درجے پر فائز کر کے دکھایا جائے کہ ''ہم کسی سے کم نہیں''۔ اس برتری کے جذبے کی بے شمار تصاویر غزہ و مغربی کنارے میں آئے روز اکا دکا واقعات کی صورت میں پہلے سے موجود تھیں، مگر جس جگہ کو اس معاملے میں نکتہ عروج پر دیکھا ہے، وہ میرے گمان کا پرانا فوجی اور نیا حراستی کیمپ ہے۔ حراستی کیمپ کو شناخت سات اکتوبر سے شروع ہونے والی جنگ نے دی ہے۔ رازداری کا اہتمام جس کی شروعات اسرائیل میں کھڑی کی گئی ''سیکورٹی وال'' سے کی گئی تھی، یہاں اس کا اہتمام حد سے زیادہ ہے۔ اسی لیے میں بطور وکیل اور غیر فوجی کے پہلا شخص ہوں جو اس جگہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لیے اجازت کا مستحق قرار پایا۔ یہ پرانا فوجی اڈہ اب غزہ سے حراست میں لیے گئے فلسطینیوں کے لیے جائے تشدد و تعذیب ہے۔ اذیت و صعوبت کا مقام ہے۔ جہاں چار بیرکوں میں 100 سے 150 کے درمیان اسیران غزہ کو رکھا گیا ہے۔ یہ

مراد نہیں کہ محض رکھا گیا ہے بلکہ نازی کیمپوں اور گوانتانامو بے کے تجربے اور تاریخ کو یکجا اسی حراستی کیمپ میں کرنے کی کوشش صاف نظر آتی ہے۔ تشدد و تعذیب کے سب پرانے حربے اور ہتھکنڈے اور ان کے اکٹھا کر کے استعمال کرنے کا اہتمام اس حراستی کیمپ کی اپنی شناخت بن رہا ہے۔ اس میں قیدی اس طرح رکھے ہیں کہ انہیں کھڑے ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ جن کے ہاتھ ہمہ وقت ہتھکڑیوں میں اور ٹانگیں بیڑیوں میں جکڑی رکھی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ سونے کے وقت بھی ان کی بیڑیاں کھولی نہیں جاتیں۔ انہیں زبان کھول کر بتانے، کہنے اور سنانے کا حق کس نے دیا ہوگا۔ یہ اتنا معلوم ہو سکا کہ انہیں مرضی سے ملنے کی بھی اجازت نہیں اور مرضی سے کھڑے ہونے کی بھی سہولت نہیں۔ زمین جو ان کے آباؤ اجداد سے 1948ء میں اور 1967 میں چھین لی گئی تھی۔ اس میں سے ایک قبر نما ٹکڑے پر سونے کی اجازت ہے۔ شاید قبر میں سونے کے تجربے سے گزارنے کی زندگی میں ہی گزر جانے کے موقع کے لیے۔ یقیناً سونے کے لیے کمبل فراہم نہیں کیا جاتا کہ غزہ کے اسیران اسرائیل کے قیدی ہیں مہمان نہیں۔ ان کے جسموں پر ہاتھ سیدھا کرنے کا حق اسرائیلی فوجیوں کو ہے۔ اسی اسرائیلی فوج جسے اسرائیل نے 1948ء سے پہلے والی جنگجو یہودی تنظیموں کی باقیات کے طور پر نئی شناخت اور نام دے کر منظم کیا ہے۔ مگر اس کیمپ اور اس طرح کی دوسری جگہوں پر یہ ''آئی ڈی ایف'' کے بجائے مکمل ''آئی او ایف'' بنے نظر آتے ہیں۔ ''اسرائیل آکوپیشنل فورس'' اسرائیلی قابض فوج کہ یہاں اس کا کردار خالصتاً قابض فوج کا ہے۔ یہ فوج زخم لگاتی ہے اور پھر اس پر نمک نہیں، مرچ چھڑکتی ہے۔ اتنی بڑی تعداد میں قیدیوں کو جگہ جگہ ڈاکٹروں کی سہولت کیسے دی جائے۔ اس سوال کا توڑ یہ نکال لیا گیا ہے کہ ان قیدیوں کے کئی کئی ہفتوں اور مہینوں سے شروع زخموں کی مرہم پٹی کے لیے پیرامیڈکس کے نام پر ان لوگوں کو لایا جاتا ہے جنہوں نے غیر انسانی جیل کے اس ماحول میں ان قیدیوں کی سرجری کا ہنر سیکھنا ہے۔ اس کے باوجود کہ انہوں نے طب کا الف ب تک نہیں پڑھا ہے۔ ہاں انہیں پرانے اور بگڑے ہوئے زخموں سے اٹھنے والی بدبو کا ساتھ لیے ماحول میں رہنے کا حوصلہ ضرور دکھانا ہے اور رازداری رکھنا ہے۔ اسرائیلی فوج کے تشدد اور جبر کے بدترین استعمال کی وجوہات میں جہاں ان فلسطینیوں سے اپنی پسند کے اعترافات کرانے ہیں۔ وہیں انہیں فلسطینی قیدی ہونے کی بنیاد پر اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈا کرنے کے لیے بھی استعمال میں لانا ہے۔ ایک ایسی قابض فوج کے جوانوں کے لیے تجربے کے ایسے پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کرنا ہے جن کے عزائم اپنے گردوپیش کے لیے واضح، کھلے اور وسیع تر ہی نہیں چہار اطراف ہیں۔ قانون کے شناور ہونے کے ناطے یہ بھی دلچسپ حقیقت نظر آئی کہ یہاں ان قیدیوں کو دو ماہ سے زیادہ زیر تفتیش و تشدد رہنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ پہلی بار گرفتاری کے فوری بعد چالیس دن کے قریب ہر طرح کے تشدد و تعذیب سے گزار کر کچھ منوانے کی کوشش کی جاتی ہے اور بعد ازاں تقریباً ایک ماہ تک نئے زخموں کے لیے حوصلہ پا لینے کے بعد قیدیوں کو تفتیشی بھیڑیوں کے آگے ڈال دیا جاتا ہے۔ اس دوران ان کے امور میں ''عدالتی مہر'' بھی لگوانے کا اہتمام شروع کرایا جاتا ہے۔ ایمرجنسی کے نفاذ کا یہ اسرائیلی عدالتیں و اسرائیلی فوج دونوں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یوں پھر نظر بندی اور اس میں توسیع کے مراحل آسانی سے مکمل کر لیے جاتے ہیں۔ غیر قانونی اور غیر منصفانہ ٹرائل اور قیدیوں سے ہر طرح کی بدسلوکی، بے توقیری، انسانیت سے گری ہوئی ہر حرکت، اسرائیل میں روا رکھنے کا اصول اپنایا گیا ہے۔ اس لیے کسی قیدی کی جان اور عزت پامال ہوتی ہے یا جاتی ہے تو so what کے علاوہ کوئی جواب نہیں۔ حالیہ چند دنوں میں غزہ کے قیدیوں میں سے کم از کم چھ کی تشدد سے ہلاکت ہوئی ہے۔ صدمے سے ذہنی توازنوں کو بگاڑ دینے کی کوشش جاری ہے۔ کوئی اعداد و شمار کا شعبہ تھوڑی دیکھتا ہے۔ ویسے بھی تفتیشی عقوبت خانہ سدے تیمان کے ذمہ داروں کے لیے اطمینان کی بات ہے کہ جتنی ہلاکتیں غزہ میں ہو چکی ہیں ان کے مقابلے میں بہت تھوڑی ہلاکتیں اس کے حصے میں ابھی تک آئی ہیں۔ سدے تیمان کی دیواروں کے اندر کون کون فلسطینی قید ہے۔ کس کس قسم کے نازی تجربے سے گزر رہا ہے یا نازی حراستی کیمپوں کو پیچھے چھوڑنے والے اس اسرائیلی عقوبت کدے میں انہیں کب تک رہنا ہے۔ کب تک مرنا ہے کوئی نہیں جانتا اور خالد المحجینہ بھی نہیں جانتا کہ وکالت و عدالت کے میدان میں قائم اس تشدد و عداوت کی پریکٹس کے مظاہر دیکھنے کا یہ ماحول کب تک جاری رہے گا۔ بطور وکیل بس یہی سوچتے سوچتے سدے تیمان سے ابھرتی ہوئی قیدیں کی چیخوں میں گم سم رہ جاتا ہے کہ انسانی چیخوں کے عالمی، امریکی، مغربی ادارے کہاں قید کر دیئے گئے ہیں۔ کہاں مر گئے۔ کیا سدے تیمان حراستی کیمپ کا تشدد سب کی جان لے گیا، سب کو نگل گیا؟''

عودِ حرم

ایک شاندار تاریخی روایت

امجد علی ابدالی

مسجد حرام کے احاطے میں داخل ہوتے ہی زائرین پر خوشبو کا سحر طاری ہو جاتا ہے۔حرم شریف کو معطر رکھنے کے لئے سعودی حکام نے ایک باقاعدہ شعبہ قائم کر رکھا ہے۔جس میں 10 افراد خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ دنیا کے مہنگے ترین عطر کا استعمال کیا جاتا ہے۔جس میں عود بھی شامل ہے، جو سونے سے بھی زیادہ مہنگا ہے۔ کعبہ مشرفہ، حجر اسود، ملتزم اور رکن یمانی پر خالص عود کی خوشبو لگائی جاتی ہے۔ مسجد الحرام اور خانہ کعبہ کے زائرین ہمیشہ خوشبودار فضاؤں میں طواف، نماز، تلاوت اور عبادت کرتے ہیں۔ انہیں پتہ بھی نہیں ہوتا کہ پورا ماحول معطر کیوں ہے، کیسے ہے اور کون اس کا کیا اہتمام کر رہا ہے۔سعودی آن لائن اخبار السبق کی ویب سائٹ کے مطابق مسجد الحرام اور خانہ کعبہ کو معطر کرنا اور صاف ستھرا رکھنا اعلیٰ انتظامیہ کے بنیادی فرائض میں شامل ہے۔سعودی حکومت اس پر خطیر رقم خرچ کرتی ہے۔ روزانہ 60 کلوگرام سے زیادہ خالص عود سے مسجد الحرام اور خانہ کعبہ کو معطر کیا جاتا ہے۔انتظامیہ کا کہنا ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں مسجد الحرام اور خانہ کعبہ کی صفائی اور پاکی کا حکم دیا ہوا ہے۔اس لئے اسے معطر و منزہ رکھنے کا خصوصی انتظام کیا جاتا ہے۔یہاں سال بھر لاکھوں افراد عمرہ، زیارت اور طواف کے لیے آتے رہتے ہیں۔ جہاں ازدحام زیادہ ہوتا ہے، وہاں بو پھیلنے کا امکان یقیناً ہوتا ہے۔ اسلام میں خوشبو کی ترغیب دی گئی ہے۔خدا کے گھر میں حاضری کے وقت خوشبو استعمال کرنا پسندیدہ عمل ہے۔زائرین حرم کو پسینے کی بدبو سے بچانے اور عبادت کے لیے معطر ماحول فراہم کرنے کی غرض سے روزانہ کی بنیاد پر 60 سے زیادہ ’’بخور‘‘ کے ذریعے دھونی دے کر پورے ماحول میں خوشبو بسائی جاتی ہے۔حجر اسود، رکن یمانی اور ملتزم پر روزانہ 20 تولہ عود استعمال کیا جاتا ہے۔ملتزم اور رکن یمانی کے لئے 12 گرام مختص ہے۔مسجد الحرام کی انتظامیہ انتہائی اعلیٰ درجے کا عود استعمال کرتی ہے۔واضح رہے کہ مسجد الحرام اور مسجد نبوی شریف انتظامیہ کے سربراہ اعلیٰ شیخ ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس نے مسجد الحرام اور خانہ کعبہ کو خوشبویات سے معطر کرنے کی مہم کا افتتاح جون 2018ء میں کیا تھا۔اس مہم کا مقصد کعبہ شریف کی تعظیم و تکریم اور عمرے وزیارت ونماز کیلئے آنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کا اہتمام ہے۔اس دھونی میں اعلیٰ درجے کی خوشبودار لکڑی استعمال کی جاتی ہے اور اس سے اٹھنے والے دھویں سے زائرین کو معطر کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔حجر اسود اور ملتزم کو روزانہ 5 مرتبہ اعلیٰ درجے کے عود کی خوشبو سے معطر کیا جاتا ہے۔ رمضان المبارک میں حرم شریف کو معطر کرنے کا زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔حرم مکی میں روزانہ 60 کلوگرام عود کا استعمال کیا جاتا ہے۔عود کا شمار مہنگی ترین خوشبوؤں میں ہوتا ہے۔اس کا ایک کلو

سعودیہ میں دو سے چھ ہزار ریال کا ہے۔ جو پاکستانی روپے میں پونے پانچ لاکھ روپے تک بنتا ہے۔ اس حساب سے صرف مسجد حرام میں سالانہ کروڑوں روپے کا عود استعمال کیا جاتا ہے۔ مسجد نبویؐ میں استعمال ہونے والے عود کی لاگت اس کے علاوہ ہے۔ حکام کی جانب سے ہر سال بیش بہا قیمتی خوشبو اور عطریات پر اربوں ریال خرچ کیے جاتے ہیں۔ سعودی عرب کے محکمہ ایکسائز کے مطابق سالانہ 5.113 ملین ریال مالیت کی 860 ہزار کلوگرام سے زیادہ عود کی لکڑیاں درآمد کی جاتی ہیں اور 14.569 کلوگرام عود کا عطر درآمد کیا جاتا ہے۔ اس کی قیمت 38 ملین ریال سے زیادہ ہے۔ سعودیہ عود کی لکڑی اور عطر کی عالمی مارکیٹ کا تقریباً 65 فیصد حصہ استعمال کرتا ہے۔ رسول اقدسؐ کا وجود خود بھی عنبر افشاں اور مشک بیز تھا اور آپؐ کی نفاست پسند طبیعت کو خوشبو بے حد مرغوب تھی، جس کا استعمال بڑے اہتمام کے ساتھ فرماتے تھے۔ جس میں ''عود'' بھی شامل ہے۔ آپؐ نے مساجد کو بھی معطر کرنے کا حکم فرمایا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا: ''مسجدیں بناؤ اور انہیں پاک و صاف اور معطر رکھو۔'' (ترمذی، باب المساجد) مسجد نبویؐ شریف میں پہلی مرتبہ خوشبو استعمال کرنے کے واقعہ کے بارے میں روایت ہے کہ سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں ''ایک مرتبہ رسول اقدسؐ نے مسجد نبویؐ کی قبلہ والی دیوار کے قریب بلغم پڑی دیکھی، جس سے آپؐ کو سخت اذیت پہنچی اور اس اذیت و ناگواری کا اثر چہرۂ مبارک سے ظاہر ہو رہا تھا، یہ دیکھ کر ایک انصاری خاتون اٹھیں اور اسے کھرچ کر صاف کر دیا اور اس جگہ کو خوشبو لگا کر معطر کر دیا۔ آپؐ نے خوشی کے لہجے میں ارشاد فرمایا: ''اس خاتون نے کتنا ہی عمدہ کام کیا ہے۔'' (سنن نسائی، باب المساجد) حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں ہر جمعہ کو دوپہر کے وقت مسجد نبویؐ کے اندر بڑے اہتمام کے ساتھ خوشبو کی دھونی دی جاتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں مال غنیمت میں عود کا ایک بنڈل آیا، جسے آپؓ نے حسب دستور مسلمانوں میں تقسیم کرنا چاہا مگر مقدار میں تھوڑی ہونے کے باعث تقسیم نہ کر سکے، اس لئے حکم دیا کہ اسے انگیٹھی میں رکھ کر مسجد نبویؐ میں سلگایا جائے تاکہ تمام مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں، پھر ان کے بعد تمام خلفائے راشدینؓ نے بھی اس انتظام کو برقرار رکھا۔ (اخبار المدینہ) ایک مرتبہ ملک شام سے چاندی کی ایک انگیٹھی حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی خدمت میں بھیجی گئی۔ آپؓ نے فرمایا: ''اس سے مسجد میں خوشبو سلگانے کا کام لیا جائے۔'' شب جمعہ اور جمعہ کے دن بالخصوص خطبہ کے دوران اس میں خوشبو کی دھونی دی جاتی تھی۔ عرصہ دراز تک وہ انگیٹھی موجود رہی۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ''خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ نے مسجد نبویؐ میں خوشبو کی دھونی دینے کا مستقل انتظام کیا تھا، اس اعتبار سے وہ اس کو مستقل پیمانے پر کر کے موجدین میں شمار ہوتے ہیں، یہ سلسلہ بعد ازاں جاری رہا۔ 786ء میں خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ ''الخیزران'' زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئیں تو انہوں نے نماز باجماعت کے وقت نمازیوں میں خوشبو کی دھونی دینے کے علاوہ حجرۂ مبارکہ کے اردگرد بھی دھونی دینے کا حکم دیا اور ان اخراجات کو شاہی خزانے سے پورا کرنے کا حکم صادر کیا۔ حرمین شریفین کیلئے بے حد قیمتی اور نفیس قسم کی خوشبو کے تحفے تمام سلاطین و امراء کی طرف سے باقاعدگی سے آتے رہے۔ اسی سلسلے میں مختلف ادوار میں مختلف ممالک سے مختلف اقسام کی عمدہ خوشبو آیا کرتی تھیں اور یہ سلسلہ آج بھی بہت اعلیٰ و بہترین طریقے سے جاری و ساری ہے۔ مسجد الحرام اور خانہ کعبہ کے زائرین ہمیشہ خوشبودار فضاؤں میں طواف، نماز، تلاوت اور عبادت کرتے ہیں۔

ملحد کی بولتی بند

ایک ملحد ہوائی جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ اس کے برابر سیٹ پر ایک اسکول کی طالبہ بیٹھی ہوئی ایک کتاب پڑھنے میں مگن تھی۔ اس نے لڑکی سے کہا آپ کو کتابیں پڑھنے کا شوق ہے؟

لڑکی نے کہا کہ جی انکل! ملحد کہنے لگا: بہت اچھی بات ہے! سفر لمبا ہے، کیوں نہ خدا اور اس کے ہونے نہ ہونے اور جنت دوزخ کے بارے میں کچھ بات ہو جائے تاکہ ہم دونوں کا سفر کٹ جائے؟

لڑکی نے کتاب کو بند کرتے ہوئے تھوڑا مسکرائی اور کہا ٹھیک ہے انکل! لیکن پہلے آپ کو میرے ایک سوال کا جواب دینا پڑے گا۔ بالکل بالکل کیوں نہیں! اس ملحد مسافر نے خوش ہو کر کہا۔ لڑکی کہنے لگی کہ یہ بتایئے کہ بکری گھاس کھاتی ہے، گائے بھی گھاس کھاتی ہے اور گھوڑا بھی گھاس کھاتا ہے۔

ہاں بالکل ایسا ہی ہے۔ تو پھر یہ بتائیں کہ بکری مینگنیاں دیتی ہے، گائے سے گوبر نکلتا ہے اور گھوڑے کی لید ہوتی ہے۔ جب تینوں ایک ہی چیز کھا رہے ہیں تو یہ الگ الگ کیوں؟

یہ تو مجھے نہیں معلوم! ملحد نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

آپ کو گوبر کے بارے میں تو پتہ نہیں اور آپ چلے ہیں خالق پر بات کرنے! یہ کہہ کر لڑکی نے کتاب دوبارہ کھول لی۔

☆......☆......☆

عورت کی گواہی

رعایت اللہ فاروقی

سوشل میڈیا پر ایک بار پھر خواتین کی گواہی کا موضوع چھڑ گیا ہے تو اس مسئلے پر بات کر لیتے ہیں۔

اس معاملے کے دو پہلو ہیں۔ آئیے پہلا پہلو سمجھتے ہیں۔ بات کچھ یوں ہے کہ گواہی کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ کوئی پھڈا ہے جو عدالت پہنچا ہے۔ اب پھڈے یا حادثے میں عورت کا اپنی نفسیات کے مطابق عین فطری ردعمل یہ ہوتا ہے کہ یہ گھبرا جاتی ہے، چلانے لگتی ہے اور ایک جگہ ٹک کر سین پر فوکس نہیں کرتی بلکہ متحرک رہتی ہے۔ کبھی سین کو دیکھتی ہے تو کبھی یکدم آسمان کو تک کر ''اے اللہ جی!'' چلا رہی ہے، اور پھر لوگوں کو دیکھ کر کچھ غیر مربوط باتیں کرنے لگتی ہے۔ کیا یہ سب کوئی عیب ہے؟ قطعاً نہیں، یہ اس کی فطرت ہے۔ فطرت کیسے غلط ہو سکتی ہے؟ اس کا صرف جسم ہی نہیں بلکہ نفسیات بھی نازک ہے اور مت بھولیں کہ اللہ نے اسے آؤٹ ڈور معاملات سے چھوٹ دے رکھی ہے تو کوئی وجہ بھی ہے اس کی۔ اس کے برخلاف مرد کی کنسنٹریشن ایسی ہے کہ ہجوم میں کوئی سامنے آجائے تو اسے بھی کہتا ہے

''ذرا ہٹ یار دیکھنے دے مجھے''

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مرد آپسی گفتگو میں یہ بات کر کے عورت پر ہنستے ہیں کہ اگر وہ ڈرائیو کر رہی ہو اور ذرا سا بھی اس سے گاڑی لگ جائے تو اس کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ مرد اس کی اس حالت پر ہنستا اس لئے ہے کہ اسے معاملے کی سمجھ ہی نہیں۔ ہم اسے حدیث سے سمجھا دیتے ہیں۔ مشہور حدیث ہے کہ حضرت انجشہ رضی اللہ عنہ اونٹ پر خواتین کو بٹھا کر اسے تیز رفتاری سے لے جا رہے تھے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

رويدك يا انجشة ان ركبك القوارير

''اے انجشہ احتیاط سے، تیری سواریاں آبگینے ہیں''

سو جانِ عزیز ''آبگینے'' کا مطلب سمجھ آیا؟ سیٹ آبگینے سے گیلی ہوتی ہے مرد جیسے مٹکے سے نہیں۔

اب چونکہ عورت کی نفسیات ایسی ہے کہ یہ غیر معمولی صورتحال میں گھبرا جاتی ہے جس سے اس کی کنسنٹریشن بری طرح متاثر ہو جاتی ہے تو اس لئے کہا گیا کہ خواتین دو ہوں گی تو گواہی قبول ہوگی۔ امید ہے آپ کو یہ بات سمجھ آ گئی ہوگی، اس کی گواہی نصف ہونے کا اس کے کمتر ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ معاملہ اس کی نیچر کی وجہ سے متاثر ہو جانے والی کنسنٹریشن کا ہے۔

عورت کی گواہی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم سب جانتے ہیں جب کوئی قابل دست اندازی پولیس واقعہ ہو جاتا ہے اور پولیس کی گاڑی دور سے آتی نظر آجائے تو آدھے سے زیادہ لوگ تتر بتر ہو جاتے ہیں۔ پتہ ہے کیوں؟ کیونکہ گواہی سے ڈرتے ہیں۔ جو پیچھے رہ بھی جائیں ان سے جب پولیس افسر پوچھتا ہے:

''ہاں بھئی گواہ کون کون ہے اس وقوعے کا؟ چوہدری صاحب کو کس نے قتل کیا؟''

تو سب مکر جاتے ہیں اور یہ مؤقف اختیار کر لیتے ہیں:

''سر جی میں تو ہجوم دیکھ کر اس طرف آیا اور جب آکر دیکھا تو چوہدری صاحب کی لاش پڑی تھی۔ میں نے بس اتنا ہی دیکھا ہے۔''

سو ان حالات میں عورت کے لئے دو گواہوں والی شرط ایک بڑی رعایت بنی کہ نہیں؟ فرض کیجئے عورت نے سب بچشم خود دیکھا بھی ہے اور قاضی ابو یوسف کی عدالت سے سمن آجائے کہ آؤ اور گواہی دو تو وہ اس سمن کے پیچھے یہ لکھ کر بھجوا دے:

''میں اکیلی تھی، کوئی دوسری عورت موجود نہیں تھی۔ میں نہیں آرہی عدالت، میں نہیں دے رہی گواہی۔''

جان چھوٹ گئی کہ نہیں؟ گواہی دینا اتنا خوشگوار عمل کب سے بن گیا کہ ہمارے لبرل اس پر یہ واویلا مچاتے پھرتے ہیں کہ عورت کی گواہی نصف کیوں کر دی گئی؟ گواہی کے بدلے کوئی نوبل پیس پرائز ملتا ہے کیا کہ عورت اس سے محروم ہو جائے گی؟ گواہی سے تو مرد بھی دور بھاگتا ہے۔ مرد تو جھوٹ بول کر گواہی سے جان چھڑاتا ہے۔ جبکہ عورت کے پاس یہ آپشن ہے کہ اپنے تنہا ہونے کا کہہ کر عدالت کے دھکوں سے بچ سکتی ہے! یہ اعزاز و اکرام اور انعام ہے کہ حق تلفی؟!

☆......☆......☆

نیا سال | ایک نئی شروعات اور نئی امیدیں

محمد آصف کاکاخیل (استاذ جامعۃ الشیخ)

انسانی فطرت کا تقاضہ ہے کہ وہ ہر نئی چیز کو بڑے جوش وجذبے اور بڑی احتیاط وفکر کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ پرانی چیز کے برتنے میں کوئی کمی رہ گئی ہو یا نئی چیز بڑی مشکل سے حاصل ہوئی ہو تو وہ اپنی یا دوسروں کی کمی کوتاہیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نئی چیز کے استعمال کے لیے منصوبہ بندی کرتا ہے، پروگرام تشکیل دیتا ہے تاکہ نئی چیز کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنا سکے۔

دن گزرتے جارہے ہیں، عمریں گھٹتی جارہی ہیں، گھنٹے منٹوں اور سیکنڈوں کی طرح گزر رہے ہیں، ایک نسل مرتی ہے تو ایک اور ایک نسل زندہ ہوتی ہے، ایک سال آتا ہے اور ایک سال گزرتا ہے، گردش مہ وسال کا سلسلہ تخلیق کائنات سے جاری اور قیامت سے قائم رہے گا۔ بس عقل مند وہ شخص ہے جو دوسروں کے تجربے سے سیکھیں...... باشعور قوم وہ ہے جو اپنی تاریخ کی حقیقت اور اہمیت پہچانے۔

قمری تقویم کا نیا سال محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے۔ نئے سال کا نیا دن امیدوں کے چراغ روشن کیے، ہمیں نئے ارادے سوچنے اور نئی توقعات پر کمربستہ رہنے کا پیغام لیے ہماری دہلیز تک آن پہنچ چکا ہے۔ ہمیں اس دستک پر لبیک کہنا ہے یا اپنے دروازے کوئی روشنی کے لیے بند رکھنا ہے، یہ ہم پر منحصر ہے۔ اس نئے برس کی نئی صبح ہمارے کانوں میں سرگوشی کر رہی ہے کہ اٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے، پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے۔ سورج کے طلوع ہونے میں سبق ہے اور وہ سبق یہ ہے کہ نئے برس کے سورج کی کرنیں اندھیروں کو بھگا کر روشنی اور نور کا پیغام امید لائی ہیں۔ اس پیغام میں مایوسی کی جھلک نہیں، محرومیوں کا رونا نہیں اور اس صبح نو میں مسرتوں اور امن کا پیغام ہے۔ اب یہ ہم پر ہے کہ ہم ان سے کیا کشید کرتے ہیں۔ ظلمت یا نور، جہالت یا علم، یہ ہمارے اپنے اوپر ہے۔ رحمت کے طلب گار ہیں یا غضب کے؟ اس نئے سال کو ہم کیسا بسر کرنا چاہتے ہیں؟ یہ ہماری اپنی منصوبہ بندی پر ہے۔ منصوبہ بندی کس چڑیا کا نام ہے؟ کیا ہم اس سے واقف بھی ہیں یا نہیں؟ زندگی بغیر منصوبہ بندی کے کیسی گزر رہی ہے؟ ہم نے اس پر کبھی غور کرنے کی زحمت کی بھی یا نہیں؟ بس غفلت کے مرتکب ٹھہرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے وقت گزرنے کے اس فلسفے کو "تلک الایام نداولہا بین الناس" کہہ کر سمجھایا ہے کہ جو کچھ چل رہا ہے، یہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہے۔ جو آسانیاں یا پریشانیاں میسر ہیں، یہ ابدی نہیں ہیں۔ جو خوشیاں یا مصیبتیں درپے ہوئی ہیں یہ سب وقت وقت کی باتیں ہیں۔ جدوجہد اپنا ثمر ضرور لاتی ہے بشرطیکہ وقت اور طریقہ اگر درست ہو۔ لہٰذا ہم اپنے عزم اور بہترین منصوبہ بندی کے ساتھ اپنے حالات بدل سکتے ہیں۔

نیا ہجری سال ہمیں 355 دنوں اور 51 ہفتوں کا وقت دیتا ہے کہ کچھ کر سکتے ہو تو کرلو، یہ امکانات کی دنیا ہے۔ یہاں وسیع امکانات موجود ہیں۔ یہ ممکنات کی دنیا ہے۔ یہاں کچھ بھی ناممکن نہیں۔ یہ منزلوں کو پانے کی دنیا ہے۔ اگر آپ نے وسیع تر دنیا کو مسخر کرنا ہے، تو اولین شرط کے طور پر اپنے ارادے کو مضبوط بنائیں۔ یہاں سب کے لیے برابر مواقع موجود ہیں۔ جو تقدیر کو سنوارنا چاہتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بھرپور مواقع سے فائدہ اٹھائے۔ ورنہ یہ برس بھی بیت جائے گا۔ یہ لمحے بھی ماضی بن جائیں گے۔ دن اور مہینے کچھ کیے بنا خالی گزر جائیں گے اور ماضی کہلائیں گے، قصہ ماضی بن جائیں گے۔

نیا سال گزارنے کے کئی طریقے ہیں، جو آپ کی ترجیحات اور دلچسپیوں پر منحصر ہیں۔ یہاں کچھ تجاویز ہیں:

01......گول سیٹ کریں: نئے سال کے مقاصد اور ارادے طے کریں، جیسے کہ صحت مند طرز زندگی اپنانا، مالی حالت بہتر بنانا، یا نئی مہارتیں سیکھنا۔

02...... اپنوں کو وقت دیں: اپنے خاندان اور دوستوں کے ساتھ وقت گزاریں، یادگار لمحات بنائیں اور رشتے مضبوط کریں۔

03......سفر کریں: نئی جگہیں دیکھیں، مختلف ثقافتوں کا تجربہ کریں اور اپنے افق کو وسیع کریں۔

04......صحتمند عادات اپنائیں: ورزش شروع کریں، متوازن غذا کھائیں اور ذہنی صحت کا خیال رکھیں۔

05......مطالعہ کریں: کتابیں پڑھیں، نئی معلومات حاصل کریں، اور اپنی علمی سطح کو بلند کریں۔

06......رضاکارانہ کام: کمیونٹی سروس میں حصہ لیں، ضرورت مندوں کی مدد کریں اور اپنی سوسائٹی میں مثبت تبدیلی لائیں۔

07......وقت کی منصوبہ بندی: اپنے دن کا منصوبہ بنائیں تاکہ آپ اپنے وقت کا بہترین استعمال کرسکیں اور توازن برقرار رکھ سکیں۔

ان تجاویز کے ذریعے، آپ نیا سال مزید موثر اور خوشگوار طریقے سے گزار سکتے ہیں۔

ادارے کی جانب سے آپ تمام قارئین کو یہ نیا سال مبارک ہو۔ دعا ہے کہ یہ ہم سب کیلئے خوشیوں، مسرتوں اور شادمانیوں کی نوید لے کر طلوع ہو اور مسائل و آلام اور پریشانیوں سے سب کیلئے نجات کا پیغام ثابت ہو۔ آمین۔

قاضی اور مسلح چور

فیصل علی

امام جوزی رحمہ اللہ نے قاضی انطا کیہ کا ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ ایک دن اپنے کھیتوں کو دیکھنے شہر سے نکلے تو شہر کے باہر ایک مسلح چور نے دھر لیا۔ چور نے کہا کہ جو کچھ ہے میرے حوالے کر دیجئے، ورنہ میری طرف سے سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قاضی نے کہا: خدا تیرا بھلا کرے، میں عالم آدمی ہوں اور دین میں اس کی عزت کا حکم دیا گیا ہے، ساتھ میں قاضی شہر بھی ہوں، لہٰذا مجھ پر رحم کر۔

چور نے کہا: الحمدللہ! ایسا شخص جو بیچارہ فقیر نادار ہو اور اپنا نقصان پورا نہ کر سکے، اس کے بجائے آج ایک ایسے شخص کو اللہ نے میرے قابو میں دیا ہے کہ اگر اس کو میں لوٹ بھی لوں تو شہر واپس جا کر اپنا نقصان پورا کر سکتا ہے۔

قاضی نے کہا: خدا کے بندے تو نے رسول اقدسؐ کی یہ حدیث نہیں سنی کہ دین وہ ہے جسے اللہ نے مقرر کیا اور مخلوق سب اللہ کے بندے ہیں اور سنت وہی ہے جو میرا طریقہ ہے۔ پس جس نے میرا طریقہ چھوڑ کر کوئی بدعت ایجاد کی تو اس پر اللہ کی لعنت۔

چور نے کہا: میری جان! یہ حدیث مرسل ہے (جو شوافع کے ہاں حجت نہیں) اور بالفرض اس حدیث کو درست بھی مان لیا جائے تو آپ کا اس ''چور'' کے بارے میں کیا خیال ہے جو بالکل ''قلاش'' ہو، فاقوں نے اس کے گھر میں ڈیرے ڈال دیئے ہوں اور ایک وقت کے کھانے کا بھی کوئی آسرا نہ ہو؟ ایسی صورت میں ایسے شخص کیلئے آپ کا مال بالکل پاک وحلال ہے، کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمایا کہ دنیا اگر محض خون ہوتی تو مومن کا اس میں سے کھانا حلال ہوتا۔

نیز علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر آدمی کو اپنے یا اپنے خاندان کے مرجانے کا خوف ہو تو اس کیلئے دوسرے کا مال حلال ہے اور اللہ کی قسم میں اسی حالت سے گزر رہا ہوں، لہٰذا شرافت سے سارا مال میرے حوالے کر دو۔

قاضی نے کہا: اچھا اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو مجھے اپنے کھیتوں میں جانے دو، وہاں میرے غلام وخادم نے آج جو اناج بیچا ہوگا، اس کا مال میں ان سے لے کر واپس آ کر تمہارے حوالے کر دیتا ہوں۔

چور نے کہا: ہرگز نہیں۔ ایک دفعہ میرے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد آپ دوبارہ واپس نہیں لوٹیں گے۔

قاضی نے کہا: میں قسم دینے کو تیار ہوں کہ ان شاء اللہ میں نے جو وعدہ تم سے کیا ہے، اسے پورا کروں گا۔ چور نے کہا: مجھے حدیث بیان کی مالک رحمہ اللہ نے، انہوں نے نافع رحمہ اللہ سے سنی، انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ: یمین المکرہ لا تلزم (مجبور کی قسم کا اعتبار نہیں)

اور مجبوری کی حالت میں جب کلمہ کفر بولنے کی اجازت ہے تو جھوٹی قسم بھی کھائی جا سکتی ہے۔ لہٰذا فضول بحث سے پرہیز کریں اور جو کچھ ہے آپ کے پاس میرے حوالے کر دیں۔ قاضی اس پر لاجواب ہو گیا اور اپنی سواری، مال کپڑے سوائے شلوار کے اس کے حوالے کر دیا۔ چور نے کہا: شلوار بھی اتار کر دیں۔ قاضی نے کہا: اللہ کے بندے نماز کا وقت ہو چکا ہے اور بغیر کپڑوں کے نماز جائز نہیں۔

نیز شلوار حوالے کرنے پر میری بے پردگی ہوگی جبکہ رسول اقدسؐ نے فرمایا کہ وہ شخص ملعون ہے جو اپنے بھائی کے ستر کو دیکھے۔ چور نے کہا: اس کا آپ غم نہ کریں کیونکہ برہنہ حالت میں آپ کی نماز بالکل درست ہے، کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ نے ہم سے حدیث بیان کی، وہ روایت کرتے ہیں نافع رحمہ اللہ سے، وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ سے کہ ''العراۃ یصلون قیاما و یقوم امامھم وسطھم'' یعنی ننگے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں اور ان کا امام بیچ میں کھڑا ہو۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ بھی ننگے کی نماز کے جواز کے قائل ہیں، مگر ان کا فتویٰ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر نہیں پڑھیں گے، بلکہ متفرق متفرق پڑھیں گے اور اتنی دور دور پڑھیں گے کہ ایک دوسرے کے ستر پر نظر نہ پڑے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فتویٰ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر نہیں بلکہ بیٹھ کر پڑھیں اور ستر پر نظر پڑنے والی جو روایت آپ نے سنائی اول تو وہ سنداً درست نہیں، اگر مان بھی لیں تو وہ حدیث اس پر محمول ہے کہ کسی کے ستر کو شہوت کی نگاہ سے دیکھا جائے، فی الوقت ایسی حالت نہیں اور آپ تو کسی صورت میں بھی گناہ گار نہیں، کیونکہ آپ حالت اضطراری میں ہیں، خود بے پردہ نہیں ہو رہے ہیں، بلکہ میں آپ کو مجبور کر رہا ہوں۔ لہٰذا لایعنی بحث مت کریں اور جو کہہ رہا ہوں، اس پر عمل کریں۔ قاضی نے یہ سن کر کہا کہ خدا کی قسم قاضی اور مفتی تو تجھے ہونا چاہئے، ہم تو جھک مار رہے ہیں۔ جو کچھ تجھے چاہئے لے پکڑ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور یوں چور سب کچھ لے کر فرار ہو گیا۔

بحوالہ: (کتاب الاذکیا، لابن الجوزی، ص ۳۸۹)

نتن یاہو کا باپ
عبرتناک انجام

صموئیل شائنرمین انیسویں صدی کے آخر میں مشرقی یورپ کے ملک پولینڈ میں ایک نہایت مفلس گھرانے میں پیدا ہوا۔ آنکھ کھولی تو چاروں طرف غربت نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ کھانے کو کئی کئی روز کچھ نہ ملتا۔ پیٹ بھرنے کے لیے بعض اوقات کئی روز کی پرانی باسی روٹی کے ٹکڑے پانی میں بھگو کر گزر اوقات کرنا پڑتی۔ مفلسی کی زندگی سے تنگ صموئیل پولینڈ چھوڑنے کا سوچنے لگا۔ اس کی آبائی مذہبی یہودی قبیلے "اشکنز ائی" کے ایک ربی سے ملاقات ہوئی جس نے صموئیل کو "ارض المیعاد" یعنی فلسطین چلے جانے کا مشورہ دیا۔ ابھی فلسطین خلافت عثمانیہ کا حصہ تھا۔ صموئیل کو یہودی پیشوا کا مشورہ پسند آیا اور اس نے فلسطین میں آباد ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے گھر سے کچھ زادِ راہ لیا اور فلسطین کو ہولیا۔ اسرائیل کے موجودہ دارالحکومت تل ابیب سے چند کلومیٹر دور "کفار ملال" کے مقام پر رہائش اختیار کی اور کھیتی باڑی شروع کردی۔ یہاں آنے کے بعد صموئیل کا تعارف ایک روسی نژاد یہودی خاتون "ڈاوورا" سے ہوا۔ دونوں کے درمیان دوستی بالآخر شادی پر منتج ہوئی اور صموئیل اور ڈاوورا مل کر کھیتی باڑی کرنے لگے۔ خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد فلسطین کو برطانیہ کی کالونی بنا دیا گیا۔ برطانوی سامراج نے فلسطینی مسلمانوں اور عربوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھنے کے ساتھ ساتھ یہودیوں پر نوازشات کی بارش کردی۔ فلسطینیوں کی زمینیں چھین کر یہودیوں کو دی جانے لگیں۔ صموئیل نے بھی یہودیوں کے ساتھ مل کر فلسطینیوں کی ملکیتی کئی مربع زمین ان سے غصب کرلی۔ بعدازاں صموئیل اس کئی مربع زمین کا تنہا مالک و مختار بن بیٹھا۔ اسی اراضی کے چالیس ایکڑ رقبے پر بعد ازاں صموئیل کے بیٹے ایریل شیرون نے ایک "فارم ہاؤس" بنایا۔ اس فارم ہاؤس میں دنیا بھر سے نایاب جنگلی جانور اور پرندے بھی لا کر رکھے گئے۔ 1926ء کو صموئیل خاندان میں ایک بچی پیدا ہوئی، جس کا نام "یہودیت" رکھا گیا۔ دو سال بعد 26 فروری 1928ء کو ایک بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام ایریل شیرون رکھا گیا۔ شیرون بچپن ہی سے لڑاکا مزاج تھا۔ اس کی عمر محض 14 سال تھی جب اس نے یہودیوں کی "ہگاناہ" نامی مسلح یہودی تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔ یہ وہی تنظیم تھی، جو قیام اسرائیل کے بعد صہیونی فوج کی بنیاد بنی۔ اس تنظیم نے 1948ء میں قیام اسرائیل کے دوران ہزاروں فلسطینیوں اور اردنی فوجیوں کو شہید کیا۔ شمالی فلسطین کے شہر "الد" میں مساجد میں پناہ لینے والے نہتے عرب شہریوں پر گولیاں چلانے والوں میں شیرون بھی شامل تھا۔ چنانچہ ایک ہی دن میں شیرون اور اس کے دیگر غنڈہ گرد ساتھیوں نے 426 فلسطینیوں کو شہید کیا۔ یہاں سے شیرون کی فلسطینیوں کے قتل عام کی ایک طویل داستان شروع ہوتی ہے جو 2005ء میں اس وقت تک جاری رہتی ہے جب شیرون اچانک برین ہیمرج کے نتیجے میں اسپتال جا پہنچتا ہے۔ بیت المقدس میں معرکہ نطرون نامی لڑائی میں شیرون اردنی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہوا لیکن فائر بندی کے بعد قیدیوں کے تبادلے میں رہا کردیا گیا۔ شیرون کا والد اسے زراعت کی تعلیم دلوانا چاہتا تھا۔ شروع میں شیرون نے والد کی خواہش کے مطابق بیت المقدس کی عبرانی یونیورسٹی میں زراعت کے شعبے میں داخلہ لیا، مگر اس میں اس کا دل نہ لگا۔ شیرون تعلیم کے ساتھ ساتھ اسرائیلی فوج میں بھی خدمات انجام دے رہا تھا۔ فوج میں خدمات انجام دیتے ہوئے اس نے فلسطینیوں اور عربوں کا قتل عام اپنا وتیرہ بنا لیا۔ 1953ء میں اردن کی سرحد سے متصل علاقے قبیہ میں گولیاں مار کر 170 اردنی شہریوں کو نہایت بے دردی سے شہید کردیا۔ یہ وہی سال تھا جب اس نے زراعت کی تعلیم ترک کرکے عبرانی یونیورسٹی میں تاریخ اور قانون کے مضامین رکھ لیے۔ 1958ء میں قانون اور تاریخ کی ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد شیرون نے انسانی حقوق کے شعبے میں داخلہ لیا۔ بعدزاں عبرانی، انگریزی اور روسی زبانوں پر بھی مہارت حاصل کی۔ جنوری کے اوائل میں جب ڈاکٹروں نے ایریل شیرون کی حالت تشویش ناک قرار دیتے ہوئے کسی بھی وقت اس کی موت کا امکان ظاہر کیا۔ شیرون کی زندگی مجموعہ اضداد ہی نہیں بلکہ پے درپے حادثات سے بھی بھرپور رہی۔ اس نے اپنی عائلی زندگی کا آغاز 1953ء میں "مارگلیٹ" نامی ایک عورت سے شادی کے ساتھ کیا۔ گوکہ مارگلیٹ سے شیرون کا تعارف قیام اسرائیل سے ایک برس قبل 1947ء کو ہوگیا تھا۔ تب شیرون کی عمر انیس اور مارگلیٹ کی سترہ برس تھی۔ 1956ء میں مارگلیٹ کے ہاں پہلا بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام گور شیرون رکھا گیا۔ شیرون کی اکلوتی بہن "یہودیت" 1951ء میں ڈاکٹر صموئیل منڈل نامی پولش دوست کے ساتھ امریکا چلی گئی۔ شیرون کے والدین کو بیٹی کے چلے جانے کا رنج ہوا جس پر والد صموئیل نے بیٹی کو عاق کرتے ہوئے جائیداد سے محروم کردیا۔ امریکا جانے کے بعد وہ نہ اپنے خاندان کے کسی فرد یا بھائی شیرون سے ملی اور نہ ہی اسرائیل واپس آئی ہے۔ سنہ 1962ء میں شیرون کی اہلیہ مارگلیٹ تل ابیب سے مقبوضہ بیت المقدس آتے ہوئے ایک ٹریفک

حادثے میں ہلاک ہوگئی۔ یہ شیرون کی زندگی کا پہلا بڑا حادثہ تھا۔ سنہ 1964ء میں شیرون نے اپنی ہی سالی "لیالی" جو بعد میں لیلیٰ کے نام سے مشہور ہوئی سے شادی کرلی۔ 1967ء میں شیرون کا بیٹا "گور" اپنے والد کی بندوق سے کھیلنے لگا لیکن والد نے اسے گھر کے اندر کھیلنے سے منع کردیا۔ اس پر وہ بندوق اٹھائے ایک ہمسائے دوست کے گھر چلا گیا۔ دونوں بندوق سے کھیلنے لگے۔ بندوق میں گولی لوڈ تھی، جو اچانک چل گئی جس کے نتیجے میں گیارہ سالہ گور شیرون بھی مارا گیا۔ 1999ء میں لیلیٰ کو اچانک کینسر کا عارضہ لاحق ہوا۔ یہ مرض اس تیزی کے ساتھ پھیلا کہ محض چند ایام میں لیلیٰ کی جان لے لی۔ یہ وہ وقت تھا جب شیرون باقاعدہ ملکی سیاست میں اتر چکا تھا۔ وہ پہلے "لیکوڈ" پارٹی میں رہا لیکن اپنے شدت پسندانہ خیالات کی وجہ سے ہمیشہ تنقید کا نشانہ رہتا۔ سنہ 2005ء میں شیرون کی پالیسی میں اچانک تبدیلی آئی اور اس نے غزہ کی پٹی سے اسرائیلی فوجی واپس بلانے کا اعلان کرتے ہوئے شہر میں موجود یہودی بستیاں بھی ختم کردیں۔ اس پر شیرون کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس پر اس نے لیکوڈ پارٹی کو خیر آباد کہہ کر "کدیما" پارٹی بنائی۔ یہ امر حیران کن ہے کہ پوری زندگی فلسطینیوں کا کٹر دشمن رہنے کے بعد اپنی بیماری سے قبل شیرون کی پالیسی میں ناقابل یقین تبدیلی آ گئی تھی۔ اس نے اپنی پارٹی کدیما میں ان سیاست دانوں کو شامل کیا جو نسبتاً روشن خیال اور لبرل تھے۔

اسرائیل میں ایریل شیرون کو ایک ہیرو ہی نہیں بلکہ نجات دہندہ کے طور پر جانا جاتا ہے، لیکن دوسری جانب وہ نہتے فلسطینیوں کے قتل عام اور مقبوضہ فلسطینی علاقوں غیر قانونی یہودی آبادکاری کے حوالے سے سنگین جنگی جرائم کا مرتکب بھی قرار دیا جاتا ہے۔ عالمی عدالت انصاف سمیت برطانیہ اور یورپ کی کئی عدالتوں میں شیرون کے خلاف انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کے مقدمات درج ہیں۔ یہ امر حیران کن ہے کہ فلسطینیوں کے خلاف سنگین جنگی جرائم کے ٹھوس ثبوت ہونے کے باوجود شیرون کے خلاف کوئی عالمی عدالت کارروائی نہیں کرسکی۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کے مطابق ایریل شیرون فوج میں رہتے ہوئے ہزاروں فلسطینیوں کے قتل عام کا براہ راست ذمہ دار تھا۔ قیام اسرائیل کے وقت الدشہر میں 426 فلسطینیوں کی شہادت، 1953ء میں قبیہ کے مقام پر 170 اردنیوں کا قتل عام، 1967ء میں درجنوں مصری شہریوں کو دوران حراست ہولناک تشدد کرکے ہلاک کرنے، 1982ء میں لبنان میں فلسطینی مہاجر کیمپوں صبرا شاتیلا میں قیامت برپا کرکے کم سے کم تین ہزار فلسطینیوں کو تہہ تیغ کرنے، سنہ 2000ء میں مسجد اقصیٰ میں داخلے کی اشتعال انگیز سازش، 2002ء میں مغربی کنارے کے شہر جنین میں فلسطینیوں کے قتل عام اور اسلامی تحریک مزاحمت "حماس" کے بانی الشیخ احمد یاسین کو شہید کرنے سمیت سیکڑوں ایسے واقعات ہیں جن میں شیرون کو براہ راست قصوروار ٹھہرایا گیا ہے۔ 1987ء کو امریکی اخبار "ٹائمز" نے اپنی ایک رپورٹ میں ایریل شیرون کو لبنان کے صبرا شاتیلا قتل عام کا براہ راست ذمہ دار قرار دیا۔ اس پر شیرون نے اخبار کے خلاف امریکا کی ایک عدالت میں ہرجانے کا دعویٰ دائر کردیا۔ "ٹائمز" نے امریکی حکومت اور یہودی لابی کے دباؤ پر شیرون کے خلاف لکھے اپنے ریمارکس واپس لے لیے، جس کے بعد شیرون نے بھی مقدمہ واپس لے لیا۔ ان تمام جرائم کے علی الرغم اسرائیل میں اسے ایک "عظیم" قومی ہیرو کا درجہ حاصل ہے۔ پے در پے صدمات کے بعد یہ بدبخت فالج میں مبتلا ہوگیا۔ گیارہ جنوری 2014ء کو ایریل شیرون کی موت کا اعلان کیا گیا۔ توقع تھی کہ شیرون کے مرنے پر بالخصوص اسرائیل اور بالعموم پوری دنیا میں ان کے بہی خواہوں میں صف ماتم بچھ جائے گی۔ لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ شیرون کی موت پر اسرائیلی میڈیا میں گو کہ خبریں نشر ہوئیں مگر جس پذیرائی کی توقع تھی وہ کہیں موجود نہیں تھی۔ شیرون کے مرنے پر کوئی پرسہ دینے بھی نہیں آیا تو اس کی آخری رسومات ادا کرکے حکومت نے اس کی لاش سے بھی جان چھڑا لی۔ شیرون کی آخری رسومات میں صرف سات سو افراد شریک ہوئے۔ ان میں بیرون ملک سے صرف امریکا کا ایک وفد شریک تھا۔ اس کے علاوہ کوئی غیر ملکی سفیر بھی شریک نہیں ہوا۔ یورپی پارلیمنٹ میں شیرون کی موت پر ایک منٹ کی خاموشی اختیار کرنے کی درخواست کی گئی تو پارلیمنٹ کے اسپیکر مارٹن چولٹز نے یہ درخواست مسترد کردی۔ درخواست گزار ہالینڈ کے رکن پارلیمنٹ نے برہمی کا اظہار کیا تو کئی دوسرے ارکان نے اس کا منہ یہ کہہ کر بند کرا دیا کہ "آپ ایک جنگی مجرم" کو کیوں سپورٹ کر رہے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا فرمان ہے کہ "جب کسی شخص پر ظلم کرنے کا سوچو تو یہ خیال رکھنا کہ اللہ کو تم پر کتنی قدرت حاصل ہے۔ یاد رکھو جو آفت تم لوگوں پر مسلط کرو گے وہ ان پر ایک نہ ایک دن ٹل جائے گی لیکن جو آفت تمہارے نامہ اعمال میں لکھ دی جائے گی وہ نہیں ٹلے گی۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ ظالموں سے مظلوموں کا حق لے کر رہے گا"۔ ایسا ہی کچھ معاملہ ایریل شیرون کے ساتھ بھی کئی سالوں سے درپیش رہا۔ وہ آٹھ برسوں سے کومے کی حالت میں اسپتال میں زیر علاج رہا۔ اس کے تمام اعضا سڑ گئے۔ ڈاکٹروں نے انہیں ایک ایک کرکے کاٹ پھینکا۔ اس کے جسم سے نہایت کریہہ بدبو کے بھبکے اٹھتے تھے۔ اس لئے سب کو اسے گھن آتی تھی۔ صیہونی حکومت نے ایریل شیرون کی زندگی کو بچانے کے لیے ہر سال کئی ملین ڈالر خرچ کیے جس کا تخمینہ سالانہ چار سو چالیس ملین ڈالر بتایا جاتا ہے مگر پھر بھی ناکام رہی۔ اس کے گردوں اور بعض دیگر اعضاء نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ بالآخر یہ اپنے عبرتناک انجام کو پہنچ گیا۔ دلچسپ بات یہ کہ اسرائیل کا موجودہ فرعون نتن یاہو اسی شیرون کا تربیت یافتہ ہے۔ اس لئے شیرون کو اس کا باپ قرار دیا جاتا ہے۔ امید یہی ہے کہ نتن یاہو کا انجام بھی اس کے باپ سے زیادہ مختلف نہیں ہوگا۔

گوشۂ خواتین

پیراگوئے کی اکلوتی مسلمان لڑکی

پیراگوئے جنوبی (لاطینی) امریکا کا ایک ملک ہے۔ یہاں اکثریتی مذہب عیسائیت ہے۔اس ملک میں تازہ ترین اعداد وشمار کے مطابق 507 مسلمان آباد ہیں، جو کل آبادی کا 0.008 فیصد بنتے ہیں۔ان مسلمانوں میں زیادہ تر شام، لبنان اور فلسطین سے تعلق رکھتے ہیں۔ پیراگوئے میں اہم اسلامی تنظیم مرکزی منفعت بخش اسلامی ثقافتی مرکز (انگریزی: Centro Benéfico Cultural Islámico Asunción) ہے جس کی قیادت فاؤزی محمد عمیری کرتے ہیں۔زیادہ تر مسلم آبادی دارالحکومت اسونسیون کے مضافاتی علاقوں میں آباد ہے۔

اسلام براعظم امریکا کے تمام خطوں اور ریاستوں میں اقلیتی دین کی حیثیت کا حامل ہے۔شمالی اور جنوبی امریکا میں اسلام کی انتہائی گونا گوں تاریخ ہے۔یہاں سولھویں صدی عیسوی سے اسلام کا آغاز ہوا۔ ریاست ہائے متحدہ، کینیڈا، وینزویلا، برازیل، ارجنٹائن، گھانا اور ٹرینیڈاڈ وٹوباگو میں کثیر تعداد میں مسلمان آباد ہوئے اور آج بھی ان ممالک میں قابل ذکر مسلم آبادی موجود ہے۔

کسی زمانے میں پیراگوئے میں 200 گھرانے مسلمان تھے۔دعوت وتبلیغ کی محنت نہ ہونے کی وجہ سے سب کے سب عیسائی ہوگئے تھے۔وہاں ایک سال کی جماعت کی پیدل تشکیل ہوئی، جو سال کے لیے جاتے ہیں، ان کے گھر میں مشقت آتی ہے اور یقیناً تقاضے ٹوٹتے ہیں، کوئی مرتا ہے، کوئی بیمار ہوتا ہے، لیکن اس قربانی پر رب تعالیٰ ہدایت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

وہاں صرف ایک مسلمان لڑکی تھی، اس کا نام لیلیٰ تھا، اس سے فون پر بات ہوئی کہ اپنے خاوند کے ساتھ ہمارے پاس آؤ، چنانچہ اس سے ملاقات ہوئی۔اس نے کہا کہ یہاں مسلمان گھرانے عیسائی ہوچکے ہیں۔لیلیٰ سے کہا کہ ان سے ہماری ملاقات کراؤ۔اس لڑکی نے ان مسلمانوں کو جمع کیا تو 20 یا 25 افراد جمع ہوگئے۔

ڈاکٹر امجد بھی اسی جماعت میں تھے اور ڈاکٹر صاحب کا شمار کراچی کے بڑے سرجنوں میں ہوتا تھا۔حال ہی میں ان کا انتقال ہوا ہے۔اللہ پاک غریق رحمت فرمائے۔ڈاکٹر صاحب چار مہینے ہر سال تبلیغ میں لگاتے تھے اور ہر دو سال کے بعد ایک سال بیرون ملک تبلیغی سفر میں جاتے۔ڈاکٹر امجد صاحب نے ان لوگوں سے مقامی زبان اسپینش میں 20 منٹ تک بات کی تو وہ لوگ کہنے لگے کہ اسلام ایسا مذہب ہے، اس میں یہ یہ خامی ہے۔ڈاکٹر صاحب نے ان کی شکایات کو دور کیا، اس کے بعد پھر دوبارہ بات کی اور اسلام کی حقانیت کو ان کے دل میں بٹھایا، پھر بھی نہ مانے، پھر دوبارہ بات شروع کی حتیٰ کہ وہ مسلمان ہوگئے اور انہوں نے تین دن کے لیے جماعت میں اپنا نام لکھوایا۔

جب یہ لوگ تین دن لگا کر آئے تو ان کے دل میں امت کا درد وغم پیدا ہو چکا تھا، چنانچہ انہوں نے اپنے محلے میں مزید محنت کی، یہاں تک کہ ایک سال کی نقل و حرکت کے بعد وہاں مسجد قائم ہوگئی اور 200 گھرانے بھی دوبارہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ایک سال کی نقل وحرکت کی برکت سے 200 گھرانے اگر مسلمان ہو جائیں تو اس پر 50 سال لگانا بھی سستا سودا ہے۔(تبلیغی جماعت کی کارگزاری)

روشنی کے مسافر

کٹر مسیحی نوجوان، دنیا کا سب سے مؤثر اسلامی اسکالر

(ایک حیران کن داستان)

1840ء میں آئرلینڈ سے Michael O'Hanson نامی نوجوان شادی کے کچھ ہی عرصے بعد امریکا روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ اس کی دلہن بھی تھی۔ اس جوڑے نے Philadelphia میں اقامت اختیار کی، جہاں دیگر آئرش مہاجرین بھی مقیم تھے۔ قسمت کے دھنی اس نوجوان کا جلد ہی 'نئی دنیا' میں ستارہ چمک اٹھا۔ کچھ ہی عرصے بعد اس کا شمار مالدار ترین شخصیات میں ہونے لگا۔ مذہب (کیتھولک) سے اس جوڑے کا شدید لگاؤ تھا۔ اس لئے اس نے وہاں کئی گرجے تعمیر کرائے اور بوسیدہ کلیساؤں کو نئے سرے سے تعمیر کیا۔ 1896ء میں یونان سے ایک اور مہاجر شخص نے امریکا ہجرت کی۔ اس نے کاروبار شروع کیا۔ قسمت اس کی اتنی اچھی تھی کہ مٹی کو ہاتھ لگاتا تو سونا بن جاتی۔ لیکن اس کا مذہب سے رشتہ کافی کمزور تھا۔ تاہم شادی کے موقع پر چرچ گیا تو وہاں انجیل کی ایک آیت لکھی دیکھی، جس نے اس کی کایا پلٹ دی۔ اس کے بعد وہ کٹر مذہبی بن گیا۔ کچھ عرصے کے بعد ہانسن اور اس یونانی مہاجر کی دوستی ہوگئی۔ جس کے نتیجے میں انہوں نے اپنی بچوں کا رشتہ طے کر لیا۔ مشیل کے بیٹے میشل جونیئر کا یونانی بزنس مین کی بیٹی Elizabeth Anne کے ساتھ نکاح ہوگیا۔ میشل جونیئر یونیورسٹی میں انسانیات کا پروفیسر تھا۔ جبکہ اس کی اہلیہ بھی جامعہ بیرکلے کی فاضلہ۔ 1958ء میں والاولا، واشنگٹن میں اس جوڑے کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا، جو اس کی دوسری اولاد تھا۔ اس کا نام Mark Hanson رکھا گیا۔ اس کی پرورش شمالی کیلی فورنیا میں ایک بنیاد پرست کٹر یونانی مسیحی خاندان میں ہوئی۔ نانا نے مارک ہانسن سمیت اس کے بھائی بہنوں کی مذہبی تربیت کا اتنا خیال رکھا کہ کئی بار انہیں یونان کے قدیم کلیساؤں میں لے جا کر ان کی تربیت کرائی۔ نانا امریکی ریاست کیلی فورنیا کی Marin County میں ایک چرچ کے صدر تھے۔ اس کے ساتھ وہ اس کاؤنٹی کے میئر بھی تھے۔ مارک ہنسن کی ابتدائی تعلیم و تربیت بھی اسی Greek Orthodox Church میں ہوئی۔ لیکن ایسے کٹر مسیحی خاندان کا یہ چشم و چراغ اب دنیا کا سب سے مؤثر اسلامی اسکالر ہے۔ 500 بااثر ترین مسلم شخصیات میں شامل اور امریکا کے پہلے مسلم کالج کے بانی۔ Mark Hanson کا نیا نام الشیخ حمزہ یوسف ہے۔ وہ بچپن سے لڑکپن تک انتہائی کٹر قسم کے مسیحی تھے۔ لیکن جب وہ 18 برس کے ہوئے تو اچانک ان کی کایا پلٹ گئی۔

1977ء میں ہینسن 17 سال کی عمر میں سانتا باربرا، کیلی فورنیا میں مسلمان ہوگئے۔ انہیں مغرب میں نفیس ترین مسلم علماء میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ قرآن کریم کے مطالعے نے ان کے لئے ایمان کا دروازہ کھولا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ہوا یوں کہ یونیورسٹی میں جب انہوں نے شعبہ فلسفہ میں داخلہ لیا تو پہلی بار اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں معلوم ہوا، پھر انہوں نے وہاں مقیم سیاہ مسلمانوں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ قرآن کا مطالعہ اور باعمل مسلمانوں کی قربت نے ان کی کایا پلٹ دی۔ 1977ء میں انہوں نے سانتا باربرا (کیلی فورنیا) میں کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ اس کے بعد اسلامی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ ابتدائی تعلیم برطانیہ میں مقیم ایک اور نومسلم صوفی اسکالر عبدالقادر الصوفی سے حاصل کی۔ پھر انہوں نے 1979ء میں مشرق وسطیٰ کا رخ کیا۔ وہ متحدہ عرب امارات کی ریاست العین چلے گئے اور اگلے 4 سال وہاں ایک مدرسے میں اسلامی علوم کی تحصیل میں مشغول رہے۔ متحدہ عرب امارات اور دوسرے ممالک میں چار سال حصول علم میں گزارنے کے بعد انہوں نے 1984ء میں مزید اسلامی تعلیم کے لئے افریقی عرب ممالک یعنی مغربی افریقہ کا سفر اختیار کیا اس سوچ کے تحت کہ وہاں کے علماء جدید ترقی کی چکاچوند سے دور ابھی تک خالص اسلامی سوچ، کردار اور فکر کے حامل ہیں۔ انہوں نے الجزائر، مراکش اور موریطانیہ کے جید علماء و مشائخ سے اکتساب فیض کیا۔ موریطانیہ میں ہی ان کا شیخ محمد ولد فحف المعصومی المعروف مراتب الحاج سے تعلق قائم ہوا، جن کے افکار و نظریات اور تربیت نے حمزہ یوسف کی زندگی اور افکار پر سب سے زیادہ گہرے نقوش مرتب کئے۔ (شیخ مراتب الحاج کا انتقال 105 سال کی عمر میں 17 جولائی 2018ء کو ہوا)۔ بیرونی ممالک میں حصول تعلیم کے اس 10 سالہ سفر کے بعد وہ واپس امریکا آ گئے اور امپیریل ویلی کالج سے نرسنگ اور سان ہوزے اسٹیٹ یونیورسٹی سے دینیات میں ڈگریاں حاصل کیں۔ 1996ء میں شیخ نے ہے ورڈ، کیلی فورنیا میں زیتونہ انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد رکھی، جس کا مقصد اسلامی علوم کا احیاء اور روایتی طریقہ ہائے تدریس کو محفوظ کرنا ہے۔ مختلف ممالک کے بہت سے مشہور علماء نے مختلف اسلامی مضامین کی تدریس کے لیے ان کو اجازت دے رکھی ہے۔ انہوں نے امپیریل ویلی کالج سے نرسنگ اور سان ہوزے اسٹیٹ یونیورسٹی سے دینیات میں ڈگریاں حاصل کیں۔ وہ اسلامی

روحانیت اور زمانی مسائل پر لیکچر دینے کے لیے دنیا بھر کا سفر کر چکے ہیں۔ شیخ عربی کی بہت سی نابغہ روزگار کتب کا انگلش ترجمہ کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے اپنے قلم سے بھی 8 کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ انگریزی اور عربی کے یہ بہترین مقرر مشرق وسطیٰ میں اعلیٰ ترین درجے کی ٹیلی ویژن سیریز "حمزہ یوسف کے ساتھ سفر" کی میزبانی بھی کرتے ہیں۔ ڈیووس میں عالمی معاشی فورم پر بین الاقوامی رہنماؤں کو مشاورت فراہم کرتے ہوئے وہ اسلام اور مغرب کے مابین پل کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان کی گفتگو ہزاروں نوجوان مسلمانوں کے لیے باعث کشش ہے اور وہ 11 ستمبر 2001ء کے بعد سے قرآن پاک اور اسلامی روایات میں موجود رحم و کرم اور خدمت کے پیغام کی طرف پلٹنے کا پیغام دینے والی آوازوں میں سے نمایاں ہیں۔ وہ مراکش کی معتبر ترین "جامعہ قیروان" فاس میں درس دینے والے پہلے امریکی پروفیسر ہیں۔ واضح رہے کہ جامعہ قیروان دنیا کی سب سے قدیم یونیورسٹی ہے۔ جسے محمد الفہری نامی ایک دولت مند تاجر کی صاحبزادی فاطمہ الفہری نے 859ء میں تعمیر کروایا تھا۔ الفہری خاندان نویں صدی کے اوائل میں تیونس کے شہر قیروان سے فاس ہجرت کر گیا تھا۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ فاطمہ الفہری اور ان کی بہن مریم الفہری نے وراثت میں والد سے بڑی دولت پائی اور مریم نے اپنے حصے میں آنے والی تمام دولت اس کی تعمیر پر خرچ کر دی اور اس کو اپنے آبائی شہر کا نام دیا۔ یہ واقعہ مسلم تہذیب میں عورتوں کے کردار اور ان کی قربانیوں کا عکاس ہے اور موجودہ دور میں اسلام کے بارے میں پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا بھرپور جواب بھی۔ بہرحال شیخ حمزہ یوسف امریکا اور دنیا بھر میں خطابات و لیکچرز دیتے رہتے ہیں۔ ان کے وعظ نصیحت میں تاثیر ایسی ہے کہ جو ان کو سنے وہ ان کا معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ 2010ء میں ان کے انسٹی ٹیوٹ کو باقاعدہ کالج کا درجہ مل گیا اور اس طرح ان کا زیتونیہ کالج امریکا میں باقاعدہ تسلیم شدہ اپنی نوعیت کے پہلے اسلامی کالج کے درجے کا حامل ہو گیا۔ اب تو اس اسلامی کالج کی امریکا بھر میں 6 شاخیں بھی کھل چکی ہیں اور یہ امریکا کا سب سے بہترین اسلامی ادارہ بن چکا ہے۔ شیخ حمزہ یوسف اس وقت امریکا اور عالم مغرب میں سب سے زیادہ موثر اسلامی اسکالر سمجھے جاتے ہیں۔ 90 کی دہائی میں ان کی انگلش خطابت کی سی ڈیز برطانیہ کے تقریباً ہر دوسرے مسلم گھرانے میں سنی جاتی تھیں۔ اس وقت بھی ان کے خطاب کے لئے وقت لینا ہوتو ڈیڑھ سے دو سال بعد کا وقت میسر ہوتا تھا۔ اب تو شاید اس سے بھی زیادہ۔ برطانوی اخبار گارڈین کے مطابق وہ عالم مغرب کے سب سے زیادہ موثر اسلامی اسکالر ہیں، جبکہ امریکا کے نیو یارکر میگزین نے تو انہوں اسلامی دنیا کا موثر ترین اسکالر قرار دیا ہے۔ اردن کے رائل اسلامک اسٹڈی سینٹر سے اسلامی دنیا کے موثر ترین سیاسی، ریاستی، سائنسی، علمی و روحانی افراد کی مستند ترین سالانہ فہرست "ٹاپ 500 مسلمز" میں گزشتہ کئی برس سے ان کا نام ہمیشہ 50 اہم ترین افراد میں شمار ہوتا ہے۔ تازہ ترین فہرست میں بھی ان کا نام 23 ویں نمبر پر ہے۔ گزشتہ کئی برس سے شیخ حمزہ یوسف نے اپنے اسفار کم کر کے زیادہ توجہ اپنے قائم کردہ زیتونیہ کالج پر مبذول کی ہوئی ہے۔ اسی کالج سے انہوں تحقیقی رسالہ رینوویٹیو (مجلہ تجدید و احیاء) کا اجرا کیا اور حال ہی میں انہوں نے جدید دنیا کے سات تباہ کن گناہ" کے نام سے دنیا کی اہم شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے مطابق یہ سات گناہ تکبر، لالچ، غصہ، حسد، ہوس، بسیار خوری اور کاہلی ہیں۔ ان میں سے انہوں نے سابق پاکستانی وزیر اعظم پاکستان عمران خان سے گفتگو کے لئے تکبر کا موضوع منتخب کیا۔ اس گفتگو یا انٹرویو میں وزیر اعظم عمران خان نے کیا کہا وہ تو آپ اخبارات اور نیوز کے ذریعے جان ہی چکے ہوں گے، اس ویڈیو میں اہم ترین بات یہ تھی کہ حمزہ یوسف کن خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ حمزہ یوسف نے اپنی گفتگو کا آغاز عمران خان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان الفاظ سے کیا کہ میں ایک چھوٹا سا کالج چلا رہا ہوں اور مجھے علم ہے کہ یہ کتنا مشکل اور دردسری والا کام ہے، آپ اتنی بڑی آبادی والے ملک کے وزیر اعظم ہیں تو آپ کتنے مصروف ہوں گے۔ اس طرح حمزہ یوسف نے تکبر کے موضوع سے ہونے والی گفتگو کا آغاز ایک عاجزانہ انداز میں کیا، جو ان کا ہی خاصہ ہے، ورنہ غیر روایتی مذہبی شخصیات میں عموماً خود پسندی اتنی ہوتی ہے کہ ان کو عاجزی کا اظہار بھی کرنا ہو تو پہلے اپنے کارنامے کمال فصاحت اور مبالغے سے مزین تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور آخر میں تکلفاً ایسا کہہ دیتے ہیں کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں، یہ تو حق تعالیٰ کا کرم ہے، حالانکہ اس طرح کا طرز بیان اہل تصوف کے ہاں ریاکاری اور تکبر کے زمرے میں آتا ہے۔ حقیقی عاجزی تو یہ ہے کہ انسان اپنے کام کو خود چھوٹا کہہ کر بیان کرے۔ حقیقی بڑا کام وہ ہی ہوتا ہے، جس کا تعارف آپ کو خود نہ کروانا پڑے، بلکہ اس کی تاثیر سے دنیا خود ہی اس کی معترف ہو کہ "آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے"۔ اس گفتگو میں شیخ حمزہ یوسف کے بیان کئے گئے نکات بہت ہی اہم ہیں اور بطور قوم پاکستانیوں کے لئے بہت سے سبق کے حامل ہیں۔ شیخ یوسف فقہ مالکی کے پیروکار ہیں۔ کیونکہ کے بیشتر مشائخ مالکی ہیں۔ جیسے علامہ المرابط الحاج، علامہ عبد اللہ بن بیہ۔ ان کے علاوہ انہوں نے امارات کے شیخ سید احمد اور سعودیہ کے شیخ عبداللہ بن بی ✕ سے بھی علم حاصل کیا ہے۔ شیخ حمزہ کے ہاتھ پر سینکڑوں افراد مسلمان ہو چکے ہیں۔ وہ قادیانی دجالوں کے خلاف بھی شمشیر بے نیام ہیں۔ اس جہنمی فتنے کے خلاف وہ ایک مشہور آرٹیکل لکھ چکے ہیں۔ جس کا عنوان ہے: "Sticks and Drones but Fitna Really Hurts,May Break Our Bones Us" حق تعالیٰ شیخ کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور انہیں اپنے دین متین کی مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ بلاشبہ وہ امت کا سرمایہ ہیں۔

ایسی ملازمت جس میں فرائض وغیرہ ادا کرنا مشکل ہو؟

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں؟ میں پہلے ایک کمپنی میں کام کرتا تھا لاک ڈاؤن سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل اس کمپنی میں کام کرنا چھوڑ دیا، جب لاک ڈاؤن لگا تو معاشی حالت خراب ہونے اور کوئی دوسرا ذریعہ نہ ہونے کی وجہ پھر میں فروری میں اسی کمپنی میں جوائنگ کی، رمضان المبارک میں اسی کمپنی میں کام کرتا رہا جس میں رات ودن کام ہوتا ہے (24 گھنٹے) ایک ایک مہینہ پر ٹائم بدلتا ہے، یعنی ایک مہینہ کے بعد رات میں کام کرنے والے دن میں ہوجاتے ہیں اور دن میں کام کرنے والے رات میں ہوجاتے ہیں، (کبھی کبھی کام کا وقت بدلنے میں ایک مہینہ سے زیادہ ہوجاتا ہے) ابھی میں رات میں کام کرتا ہوں، جس میں تراویح کی نماز کیلئے کمپنی کی طرف سے کوئی سہولت نہیں ہے، کمپنی وقت دینا بھی نہیں چاہتی ہے، تراویح ہی کی وجہ سے میں ایک دن میں کام کرنے کیلئے گیا تو مجھے یہ کہہ کر واپس کر دیا گیا کہ نہیں ابھی رات ہی میں آنا ہے، سب کا وقت ایک ساتھ بدلے گا، تو میں ایک انچارج کے پاس گیا اور تراویح کے متعلق بات کرکے 12 گھنٹہ کی جگہ آٹھ گھنٹہ کام کرنے کی اجازت مانگی تو اس نے دیدی، لیکن دوسرے انچارج 8 گھنٹہ جانے پر غصہ ہوتے ہیں اور نازیبا کلمات بکتے ہیں، ایسے میں میں کیا کروں؟ کام چھوڑتا ہوں تو معاشی حالت خراب ہوتی ہے اور تراویح کی نماز مل جاتی ہے اور کام کرتا ہوں تو تراویح کی نماز فوت ہوتی ہے اور کچھ معاشی حالت درست رہتی ہے، اس کمپنی میں پنج وقتہ نمازوں کیلئے بھی وقت نہیں ملتا ہے، ہر روز کمرہ میں آکر قضا کرنا پڑتی ہیں، فی الحال کوئی دوسرا ذریعہ بھی نہیں ہے، ایسے میں کیا کیا جائے؟

جواب: ایسی جگہ ملازمت کرنا درست نہیں، جہاں فرائض وغیرہ ادا کرنا بھی دشوار ہو، اس لیے آپ کوشش یہی کریں کہ کوئی اور ملازمت مل جائے، جہاں اس طرح کی دشواری نہ ہو اور جب تک ملازمت نہ ملے، کم از کم ایسی کوئی شکل بنائیں کہ فرائض قضاء نہ ہوں، اسی طرح اگر کچھ گھنٹے کی اجرت کٹوا کر بھی تراویح کی نماز پڑھ سکتے ہوں تو ایسا کرلیں، رمضان المبارک میں تراویح سے محرومی یقیناً ایک بڑی بدنصیبی ہوگی۔

(فتویٰ:933-9=116T/L/1442 دارالافتاء دارالعلوم دیوبند)

جمعہ کے وقت دکانیں کس اذان پر بند کی جائیں؟

سوال: ہمارے شہر میں دوپہر ایک بجے سے پونے تین بجے تک مختلف اوقات میں مختلف مساجد میں نماز جمعہ ہوتی ہے اور اکثر مسلمان کاروباری لوگ الگ الگ اوقات میں نماز جمعہ ادا کرلیتے ہیں اور اپنی دکان وغیرہ بند کرنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ ہمارے شہر کی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب ۲۰ فیصد سے بھی کم ہے۔ اب مسئلہ یہ درپیش ہے کہ ایک صاحب جو کہ غیر عالم ہیں، وہ سوشل میڈیا پر معارف القرآن کے حوالے سے یہ پیغام نشر کرتے ہیں کہ ہر مسلمان کو جمعہ کے وقت اپنے کاروبار، دکان اور دھندا بند کرنا فرض ہے اور جمعہ کے وقت کاروبار یا دکان چالو رکھنا ناجائز اور حرام ہے۔ سوال یہ ہے کہ ۱۔ ان صاحب کی یہ بات درست ہے یا نہیں؟

۲۔ اگر درست ہے تو مسلمانوں کے اس حکم پر عمل کرنے کی کیا صورت حال ہوگی؟

۳۔ کیا ہر مسلمان کے لئے شہر کی سب سے پہلے ہونے والی اذان سے لے کر آخری وقت جہاں جمعہ ہوتی ہے تب تک اپنے کاروبار اور دکان کا بند کرنا فرض ہوگا؟

جواب: (۱-۳: دلائل کی روشنی میں راجح ومختار قول یہ ہے کہ ہر شخص جس مسجد میں جمعہ پڑھتا ہے یا جس مسجد میں وہ جمعہ پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہے، اس کے حق میں خرید وفروخت وغیرہ ممنوع ہونے میں اس مسجد کی اذان اول کا اعتبار ہوگا۔ (حاشیہ امداد الفتاوی، ۱:۱۶۹، مطبوعہ: مکتبہ زکریا دیوبند اور احسن الفتاوی ۱۰:۲۰۷، مطبوعہ زیر اہتمام: الحجاز پبلشرز، کراچی)، جیسا کہ دیگر نمازوں میں اگر مختلف مساجد سے کچھ وقفے کے ساتھ اذانیں ہوں تو راجح قول کے مطابق علی الاطلاق ہر مسجد کی اذان کا جواب مطلوب نہیں، بلکہ اصل اس مسجد کی اذان کا جواب دینا ہے، جس میں آدمی نماز پڑھتا ہے یا وہ نماز جس مسجد میں پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

(احسن الفتاوی، ۴:۱۲۸، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کراچی)

(فتویٰ:750-572/N=9/1442، دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند)

جامعہ کے شب و روز

عیدالاضحی کی تعطیلات

جامعۃ الشیخ یحییٰ المدنی میں 13 جون بروز جمعرات سے طلباء کرام کو عیدالاضحیٰ کی تعطیلات دی گئیں، 22 جون بروز اتوار تعطیلات ختم ہوئیں اور 23 جون بروز پیر سے باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا۔

جامعہ کے وفد کا دورہ چترال:

جامعہ کے ذیلی ادارے ''مکاتب الشیخ'' کے تحت ملک کے مختلف پسماندہ علاقوں میں قرآنی مکاتب کا ایک مضبوط نیٹ ورک قائم ہے۔ جہاں ہزاروں بچوں کتاب الٰہی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ پاکستان کے شمال مغرب میں واقع ضلع چترال بھی ایک نہایت دور افتادہ اور پسماندہ علاقہ ہے۔ یہاں کے مقامی احباب کا کافی عرصے سے شدید اصرار تھا کہ وہاں مکاتب الشیخ کا اجرا کیا جائے۔ اس سلسلے میں جامعۃ الشیخ کے اساتذہ کے ایک وفد نے گزشتہ ہفتے وادی چترال کے دور دراز علاقوں کا دورہ کیا اور یہاں دینی تعلیمی صورتحال کا جائزہ لیا۔ وفد نے چترال کی پسماندگی کو قریب سے دیکھا اور ایک سروے رپورٹ تیار کی۔ اس دورے کے بعد جامعۃ الشیخ یحییٰ المدنی کی مجلس شوریٰ نے اس رپورٹ کی روشنی میں باہمی مشاورت سے یہ فیصلہ کیا کہ چترال میں دینی تعلیمی اداروں کی کمی کو پورا کرنے کے لیے کم از کم 10 مکاتب کا فوری قیام عمل میں لایا جائے۔ یہ مکاتب چترال کے مختلف علاقوں میں قائم کیے جائیں گے تاکہ یہاں کے بچے اور بچیاں کو قرآن کریم کی تعلیم سے روشناس کرایا جاسکے۔ یہ مکاتب نہ صرف بچوں کو بنیادی دینی تعلیم فراہم کریں گے، بلکہ ان کی شخصیت سازی میں بھی اہم کردار ادا کریں گے۔

دو ماہی جائزہ:

جامعہ میں تعلیمی سال کے دوران ہر دو ماہ بعد ایک جائزہ امتحان کی ترتیب شروع سے چل رہی ہے۔ امسال بھی 03، 04 جولائی بروز بدھ و جمعرات کو پہلا دو ماہی جائزہ امتحان کا انعقاد کیا گیا، جس میں درس نظامی کے درجات کے ساتھ تمام تخصصات کے طلباء کرام نے شرکت کی۔ اس امتحان کے نتائج جلد ہی جاری کئے جائیں گے۔

سمر کیمپ 2024ء کا انعقاد:

جون جولائی میں چونکہ اسکولوں کی چھٹیاں ہوتی ہیں۔ جامعہ کی جانب سے طلبہ کے اس وقت کو قیمتی بنانے کے لیے اس بار سمر کیمپ 2024ء کا انعقاد کیا گیا ہے، جو بچوں کے لئے ایک بہترین تعلیمی اور تربیتی موقع ہے۔ اس کیمپ کا مقصد نونہالوں کو اسلامی تعلیمات اور اخلاقیات سے روشناس کرانا ہے تاکہ وہ اپنے روزمرہ کی زندگی میں اسلامی اقدار کو اپنا سکیں۔ چونکہ یہ کیمپ پہلی بار لگایا گیا ہے، اس لئے اس بار 15 طلبہ نے داخلہ لیا۔ ان کے لیے صبح 2 گھنٹے کی کلاسز کا اہتمام کیا گیا ہے اور اس میں مختلف پروفیشنلز حضرات انہیں پڑھاتے ہیں۔

کورس کے اہم موضوعات پر طائرانہ نظر:

اس سمر کیمپ میں شامل کورس کے اہم موضوعات درج ذیل ہیں:

بنیادی اسلامی تعلیم، اخلاقیات اور آداب زندگی

شرکاء کو بنیادی اسلامی تعلیمات، اخلاقیات اور روزمرہ زندگی کے آداب سکھائے جاتے ہیں۔ جب کہ اس کے ذریعے بچوں کو ایک بہترین اور عملی و نظریاتی مسلمان بننے کی تربیت بھی دی جارہی ہے۔

تجوید قرآن (چھوٹی سورتوں کا حفظ):

ساتھ ساتھ قرآن پاک کی تجوید اور چھوٹی سورتوں کا حفظ بھی کرایا جارہا ہے تاکہ نوجوان قرآن کی صحیح تلفظ کے ساتھ تلاوت کرسکیں۔

سیرت النبی ﷺ پر معلوماتی لیکچرز:

رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر معلوماتی لیکچر دیئے جارہے ہیں، جس کے ذریعے شرکاء نبی کریم ﷺ کی زندگی سے متعلق اہم واقعات اور اخلاقی درس حاصل کریں گے۔

اسلامی دستاویزی ویڈیوز:

تعلیمی ویڈیوز کے ذریعے اسلامی موضوعات پر اضافی علم فراہم کیا جارہا ہے، جس سے اس کورس میں شرکاء کی دلچسپی مزید بڑھ رہی ہے۔

کلاسز اور اوقات:

یہ چالیس روزہ سمر کیمپ ہے جس کی کلاسز پیر سے جمعرات تک منعقد ہوتی ہیں۔ کلاسز کے اوقات صبح 11:30 سے دوپہر 02:30 تک ہوتے ہیں۔ اس دوران شرکاء کو آرام دہ اور ائیر کنڈیشنڈ کلاس روم میں پڑھایا جاتا ہے، مزید برآں پروجیکٹر کا استعمال اس تربیتی کورس کو مؤثر بنا رہا ہے۔